طبقاتی تقسیم اور اسلام

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًاo﴾ [الکهف: ۲۸]

''اور اپنے آپ کو انھیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کا ارادہ رکھتے ہیں، خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا، دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔''

ان سے وہ صحابہ کرام مراد ہیں جو غریب اور کمزور تھے، جن کے ساتھ بیٹھنا اشراف قریش کو گوارا نہ تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، ابن مسعود، ایک ہذیلی اور دو صحابہ تھے رضی اللہ عنہم۔ قریش مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بات سنیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

سیکنڈ لائن (دوسری لائن)

ایک متوسط خاندان میں ایک بچے کی قسمت جاگی۔غریب کسان کے بچے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ابتدا میں اچھی سروس ملی، پھر اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔اللہ نے چھپر پھاڑ کر دیا۔جھونپڑے سے منتقل ہو کر اپنی ذاتی بلڈنگ میں رہنے لگے۔دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگئی۔

چونکہ خاندان میں پہلی بار اور وہ بھی صرف ایک شخص کے ذریعے خوش حالی آئی تھی، اس لیے دولت کی تقسیم اور اس کے صحیح استعمال اور کاروبار کے تسلسل اور بقا کی فکر کی بجائے سب اپنی نئی حالت میں مست تھے۔

بچوں نے خوش حالی میں آنکھ کھولی تھی۔انھیں نو وارد دولت کی قدر و قیمت اور خاندان کی پچھلی مفلوک الحالی کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ایک تو جہالت دوسرے دولت کی فراوانی، نتیجہ یہ ہوا کہ پورے خاندان کی زندگی کا توازن قابو سے باہر ہوگیا۔سب اپنے آپ میں مست تھے۔

اچانک خاندان کے اس خوش نصیب آدمی کا، جو اس شاندار اور قابل رشک مادی انقلاب کا ہیرو تھا، ایک حادثے میں انتقال ہوگیا۔خاندان کی شہ رگ کٹ گئی۔روشن مستقبل ایک وحشت ناک تاریکی میں ڈوب گیا۔ایسا لگا کہ پورے خاندان کا سفینہ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہوگیا ہو۔سناٹا، تاریکی، زوال اور بے بسی کا ایک طویل تسلسل اور پھر زندگی ناکامی اور محرومی کی دیوار سے ٹکرا کر چکنا چور ہوگئی۔سورج نکلا، نصف النہار پر چمکا اور ڈوب گیا۔ایک صاحب دل نے اس پورے حادثے پر تعزیت کے صرف دو جملے کہہ کر حقیقت کو آشکارا کر دیا۔فرمایا: افسوس مرنے والے نے اپنی سیکنڈ لائن تیار نہیں کی تھی۔سیکنڈ لائن اپنے مشن کے تسلسل اور بقا کے لیے دوسرا محفوظ محافظ دستہ ہے۔ایک پائدار مستقبل کے لیے سیکنڈ لائن کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

ہر ادارے، تنظیم، جماعت، کاروبار، صنعت و تجارت کو جاری اور باقی رکھنے کے لیے اپنے بعد کام آنے والی دوسری جماعت کا تیار کرنا انتہائی ضروری ہے۔ورنہ آدمی کی زندگی بھر کی محنت اس کے ساتھ ہی اس دنیا سے چلی جاتی ہے۔جو لوگ مستقبل سے آنکھیں بند کر کے صرف اپنی صلاحیتوں سے تنہا کسی کام کو کرتے ہیں وہ جتنی عظیم کامیابی بھی حاصل کر لیں ان کے کارناموں اور عملی یادگاروں کی عمر ان کی عمر عزیز کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔حقیقت میں یہ ایک ناقص اور ناکام زندگی ہے۔ (مولانا مختار احمد ندوی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ الاعتصام لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

26 شوال المکرم 1433ھ جمعۃ المبارک 14 تا 20 ستمبر 2012ء

شمارہ 36 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال
		-/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

امن وامان کی ضمانت

حافظ احمد شاکر

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے۔ نبی ﷺ آخری نبی اور ان کی شریعت آخری شریعت ہے۔ دین اسلام اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس لیے کہ دین محمدی کے قوانین جن کا تعلق انسان کی آخرت کے ساتھ ہے یا امن وامان کے ساتھ، وہ دیگر ادیان ومذاہب سے جامع، مثبت نتائج کے حامل اور بے مثال ہیں۔

اسلام نے عقیدہ وعمل کے بعد سب سے زیادہ اہمیت انسانیت کی تکریم اور معاشرتی امن وامان کو دی ہے۔ اس کے بعد حقوق العباد کی تعلیم کے بارے میں اس حد تک ارشاد فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے حقوق کے مواخذے پر بھی قادر ہے اور معاف فرمانے پر بھی۔ لیکن حقوق العباد میں جب تک متاثر ہونے والے اللہ کے بندے معاف نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرمائے گا۔

اسلام کا نظامِ جزا وسزا معاشرے میں امن وامان کا سو فیصد ضامن بھی ہے اور اس نظام کو نافذ کرنے والے معاشرے میں اللہ کریم کی رحمتوں اور برکتوں کے یقینی نزول کا سبب بھی۔ قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرنے پر اس آیت کی ہم معنی بہت سی آیات یہ وضاحت کرتی نظر آتی ہیں کہ اگر بستی والے ایمان لے آئیں تو ہم ان پر آسمان سے برکتیں نازل کر دیں گے۔

ایک طویل عرصے سے اسلام دشمن نظریات کے حامل افراد، ادارے اور حکومتیں بڑی جدوجہد سے اس پروپیگنڈے میں مصروف ہیں کہ اسلام کے قوانینِ حدود وتعزیرات حقوقِ انسانی کے خلاف ہیں یا ان قوانین کے عملی نفاذ سے انسانیت کی اہانت ہوتی ہے لیکن کیا احترامِ انسانیت کے یہ دعوے دار اپنے اپنے ممالک اور حکومتوں میں جرائم کا گراف کبھی نیچے لا سکے؟ جرائم ہمیشہ اس معاشرے میں کم ہوئے جہاں اسلامی قانونِ جزا وسزا کا نفاذ شریعت کے مطابق یعنی سرِعام ہوا۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو سورج کی طرح واضح اور روشن ہے۔ اس لیے حسب جرم سزاؤں کی جو تعیین اور طریق کار شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام نے وضع فرمایا ہے وہ بظاہر سخت نظر آتا ہے لیکن اس کے لیے جو نظام شہادت ہے، یعنی گواہی وہ بھی انتہائی سخت ہے کہ اس نظام کی بنیاد صرف گواہوں پر ہوتی ہے۔ جن ممالک نے انسانی حقوق کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سزاؤں میں تخفیف کر دی یا اس کا طریق نفاذ بدل دیا ہے وہاں جرائم کی جرأت بڑھنے لگی جس سے ظاہر بات ہے جرائم کا تناسب بھی خود بخود بڑھنے کے امکانات ہو جاتے ہیں۔ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اسلام کسی بھی جرم کی سزا کا کسی فرد کو حق نہیں دیتا۔ عائلی زندگی کے نازک ترین موقع پر بھی چار گواہوں کی گواہی ضروری قرار دی گئی اور گواہوں کی عدم دستیابی کی صورت میں قرآنِ حکیم میں لعان کی آیات نازل فرمادیں۔ لیکن کسی انتہائی جذباتی حالات میں بھی فرد کو سزا کا اختیار نہیں دیا۔ اگر کوئی ملک، حکومت یا معاشرہ اپنے جرائم پر قابو پانا چاہتا ہے تو اس کا واحد حل جرم کا جلد فیصلہ، اس جرم کی شرعی سزا اور اس سزا کی شرعی تنفیذ ہے۔

وطن عزیز میں سالہا سال سے مسلکی عصبیت کی بنا پر قتل وخون ریزی کی جو بادِ سموم چل رہی ہے اسے کسی بھی درجے میں دینِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تائید تو کجا اس کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ حالات کے تیور بتاتے ہیں کہ ان ظالمانہ حرکات کی ڈوری کہیں دور ہاتھوں سے ہلتی ہے جو بہرصورت اسلام دشمن اور ملک کے بدخواہ ہیں۔

قرآنِ حکیم کی سورہ مائدہ میں ہابیل وقابیل کے قصے کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ اب قیامت تک جو بھی ناجائز قتل ہوتے رہیں گے ان میں اقدامِ قتل کی ابتدا کرنے کی وجہ سے سزا کا حصہ قابیل کو بھی ملتا رہے گا۔

ہماری یادداشت کے مطابق مسلکی عصبیت کے سب سے پہلے شکار جماعت اہل حدیث کے مایہ ناز سپوت، مسلک اہل حدیث کے بلاخوف لومۃ لائم یگانہ مبلغ اور اپنی طرز کے منفرد خطیب علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ ہوئے تھے۔ پاکستان خصوصاً پنجاب کی سیکورٹی ایجنسیز قاتل ہاتھوں تک نہ پہنچ سکی ہوں؟ عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ ''گربہ کشتن روزِ اوّل'' کے محاورے کے مطابق اس اندوہناک حادثے کے مجرمین کو اگر فی الفور کیفرِ کردار تک پہنچادیا جاتا تو شاید یہ مہلک اور زہریلی ہوا وطن عزیز کے امن وامان کو یوں خاکستر نہ کرتی کہ اب ہر قریہ اور ہر بستی نوحہ کناں ہے۔ تاہم اب بھی تمام فقہی مکاتب فکر کے اکابرین اگر اس بات کا عہد یا معاہدہ کرلیں کہ (۱) کوئی بھی مکتب فکر اپنے تخریب کار اور ناہنجار حامیوں کو بچانے کی تگ ودو نہیں کرے گا۔ (۲) ہر قسم کی تحقیقات میں دینی فرض اور ملت کا تقاضا سمجھ کر مخلصانہ تعاون کرے گا۔ (۳) اور اجتماعی طور پر مجرم کی سرعام سزا کا تقاضا کیا جائے گا۔ تو ان شاء اللہ اتفاق واتحاد، خیر وسلامتی اور امن وآشتی کا وہ خوب صورت ماحول جلد پیدا ہوجائے گا جس کی ہم سب خواہش رکھتے ہیں اور وطن عزیز کو جس کی ضرورت ہے۔

زائد المیعاد:

آج کل سارے سیاستدان ہی چھینا جھپٹی کی سعی ہائے نامشکور میں لگے ہوئے ہیں۔ برسراقتدار جماعت پہلے بلدیاتی انتخابات پر اصرار کررہی ہے تاکہ بلدیاتی انتخابات کے آئینے میں وہ عام انتخابات کا عکس دیکھ لیں۔ اور دوسری اکثریت کا زعم رکھنے والی جماعت عام انتخابات کے مزعومہ نتائج پر خوش فہم ہوکر یا بلدیاتی انتخابات کے موہوم نتائج سے خوف زدہ ہوکر عام انتخابات پہلے کروانے پر اصرار کررہی ہے۔ اور نظر آرہا ہے کہ انتخابات سے پہلے نگران حکومت قائم کی جائے گی جس میں مفادات کے حصول کے لیے ہر جماعت اپنے اپنے کارندے اور نمائندے داخل کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ سونامی کی دعوے دار تیسری جماعت اقتدار کی سیڑھی کا کبھی کوئی پائدان پکڑتی ہے اور کبھی شجرِ اقتدار کی کسی ٹہنی سے لٹکتی ہے اور دعویٰ کرتی ہے سیاسی انقلاب کا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آقائے ولی نعمت کی مسلم کش اور وطن دشمن پالیسیوں پر کوئی بھی سیاسی جماعت یا سیاسی لیڈر چوں تک نہیں کررہا جب کہ طاغوت اپنے انٹرنیشنل منصوبے یا نیو ورلڈ ایجنڈے کے مطابق اور ''الكفر ملة واحدة'' کے تحت وطن عزیز کو بھارت کی جھولی میں ڈال کر پاکستان کو پیدواری ملک کی بجائے ایک مارکیٹ ...... منڈی ...... بنانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ صنعت کار سیاست دان بھی بھارت سے تجارت کو ترجیح دے رہے ہیں اور دعویٰ پھر وہی وطن سے محبت اور وفاداری کا......!

امریکا یہ چاہتا ہے کہ صنعت کا مرکز بھارت بن جائے اور پاکستان صنعت کی بجائے تجارت پر ہی قناعت کرے۔ اس ایشو پر حکومت اور فرینڈلی اپوزیشن ...... کہ ابھی تک اس کا یہی کردار سامنے آیا ہے ...... کا کوئی باہمی اختلاف سامنے نہیں آیا۔ بھارت کے بارے میں مقتدر جماعت کا کردار تو کسی سے ڈھکا چھپا نہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ ربع صدی پہلے کی بات ہے اور پاکستان کے استحکام کی دعوے دار جماعت کی بھارت سے تجارت تو اس سے بھی کم عرصے کی بات ہے جو ابھی تک عوام کے حافظوں میں محفوظ ہے۔ اس سارے سیاسی منظر میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کے بیانات اور تقریریں دیکھی جائیں تو ان کے سامنے اقتدار اور صرف اقتدار ہے۔ ان کے بیانات وتقاریر میں اسلام یا نظریہ پاکستان کا ذکر آپ کو بھولے سے بھی نہیں ملے گا کہ شاید اب وہ نظریہ زائد المیعاد ہوچکا ہے یا پھر وہ بھولی بسری داستان بن چکا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سیاست اب وراثت بن چکی ہے، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ سیاست جب تک وراثت رہے گی اس کے نتائج یہی ہوں گے۔ ہاں، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے کہ وہ کسی مردِ جری کو پردۂ غیب سے نکال لائے جو کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے مخاطب ہو تو پھر کسی خیر کی توقع کی جاسکتی ہے، وگرنہ بھیگی بلی بن کر جینے والوں کی اللہ تعالیٰ کبھی نصرت نہیں فرماتا۔

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ○﴾ [یٰس: ۴۵،۴۶]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے بچو اُس (عذاب) سے جو تمھارے سامنے ہے اور جو تمھارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔''

سابقہ آیات میں آفاق میں پھیلے ہوئے اللہ کی قدرت کے مظاہر ومناظر کا بیان تھا۔ زمین وآسمان، لیل ونہار، شمس وقمر اور سمندروں میں پھیلی ہوئی اللہ کی قدرت کاملہ کے تناظر میں توحید کی دعوت اور اللہ تعالیٰ کی ان آیات بینات کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت کا ذکر تھا۔ ان آیات میں مخاطبین کا ان آیات سے اعراض اور ان کی کج روی کا ذکر ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے اس عذاب سے بچو جو تمھارے سامنے اور تمھارے پیچھے ہے تاکہ تم رحمت کے مستحق بن سکو مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور توجہ دلانے پر بھی متوجہ نہیں ہوتے۔ یہاں "اذا قیل" کی شرط کی جزاء "اعرضوا" محذوف ہے کہ وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اس کے محذوف ہونے پر بعد کی آیت میں جو اعراض کا ذکر ہے وہ اس کا قرینہ ہے۔

سامنے کے عذاب سے آفات ونوازل یعنی قحط، زلزلہ، غرق مراد ہیں جن سے امم سابقہ دوچار ہوئی تھی اور اس سے مراد یہ بھی ہے کہ تم اپنی گزشتہ زندگی کے گناہوں سے ڈرو۔ اور بعد یا پیچھے کے عذاب سے موت کے وقت اور موت کے بعد قیامت کا عذاب بھی مراد ہے اور آئندہ آنے والی زندگی میں گناہوں سے بچنا مراد بھی ہوسکتا ہے۔ یہ دونوں اقوال سلف سے منقول ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے ﴿ایدیکم﴾ سے مراد دنیا ہے کہ دنیا کی زیب وزینت پر فریفتہ ہونے سے بچو اور ﴿خلفکم﴾ سے مراد قیامت ہے کہ قیامت میں برے انجام سے بچو۔

بعض حضرات نے یہ تکلف بھی کیا ہے کہ ﴿مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ﴾ کے بعد ﴿من السماء والارض﴾ کے الفاظ محذوف ہیں۔ سورۂ سبا میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ [سبا: ۹]

''کیا وہ اپنے آگے اور پیچھے کے آسمان اور زمین پر غور نہیں کرتے! اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ان کے اوپر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں۔''

گویا اس آیت میں بھی فرمایا گیا ہے کہ تمھارے آگے اور پیچھے جو آسمان وزمین ہیں ان سے ڈرو کہ تمھیں زمین میں دھنسا نہ دیا جائے اور آسمان سے تم پر ٹکڑے نہ گرا دیے جائیں۔ مگر یہ محض تکلف ہے اولاً تو سورۂ سبا کی اس آیت میں تو دراصل اللہ کی قدرت کاملہ کا اور اللہ کے انعام واحسان کا بیان ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمھیں زمین میں دھنسا دیں یا آسمان سے کچھ ٹکڑے کردیں۔ مگر ایسا کیوں نہیں ہوتا اور تمھاری نالائقیوں کے باوجود اگر ایسا نہیں ہورہا تو یہ ہمارے حلم ورحم کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے آیت کے اختتام پر فرمایا ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ○﴾ [سبا: ۹]

''اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور ایک نشانی ہے۔''

اس لیے اس آیت میں عذاب سے ڈرایا نہیں گیا بلکہ اللہ کی رحمت سے عذاب سے بچے رہنے کا ذکر ہے۔ ثانیاً قرآن پاک میں کہیں بھی زمین وآسمان سے نہیں ڈرایا گیا بلکہ ہمیشہ اپنے عذاب سے اور اپنی گرفت سے ڈرایا گیا ہے۔ بلکہ قرآن مخلوق سے ڈرانے کے لیے نہیں اللہ سے ڈرانے کے لیے نازل ہوا ہے۔

﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ﴾ اس میں ان کی بے خوفی اور ان کے تمرد کی مزید شناعت کا ذکر ہے کہ جب انھیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرو تو وہ اس سے صرف اعراض اور لاپرواہی اختیار نہیں کرتے بلکہ جب بھی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی کبریائی کی، قیامت کی سچائی کی اور رسول کی حقانیت کی پیش کی جاتی ہے اس سے اعراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الانعام میں بیان ہوا ہے:

﴿وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ٥ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ٥﴾

[الأنعام: ٤،٥]

''اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔ پس بے شک انھوں نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آیا، تو عنقریب ان کے پاس اس کی خبریں آجائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ٥﴾ [یوسف: ١٠٥]

''اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے بے دھیان ہوتے ہیں۔''

یہ اعراض اتنا غالب ہے کہ جو آیت بھی ان کی تذکیر کے لیے ہم ذکر کرتے ہیں ان سے روگردانی کرتے ہیں بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ٥ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ٥ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ٥﴾ [الصفت: ١٣-١٥]

''اور جب انھیں نصیحت کی جائے وہ قبول نہیں کرتے۔ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو خوب مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ صاف جادو کے سوا کچھ نہیں۔''

جیسے کفار کے مطالبے پر رسول اللہ ﷺ کے اشارہ انگشت سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا مگر بدنصیبوں نے اسے تسلیم کرنے کی بجائے الٹا یہ کہہ دیا کہ محمد ﷺ کا جادو تو آسمان پر بھی چل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر کہتے ہیں یہ شاعر ہیں، مجنون ہیں۔ یہ بدنصیب آیات کا مذاق ہی نہیں اڑاتے اللہ کے رسول کا بھی مذاق اڑاتے ہیں جیسے پہلے بیان ہوا ہے:

﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ٥﴾ [یٰس: ٣٠]

''ہائے افسوس بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا رہا مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔''

یہ ہے ان کے تمرد کا حال، ایسے لوگوں کو اگر کوئی نصیحت حاصل نہیں ہوتی اور وہ دولت ایمان سے محروم رہتے ہیں تو اس کا سبب ان کی یہی سرکشی اور تمرد ہے۔ آپ کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں۔

آج بھی زلزلہ آئے، بے موسمی بارشیں برسیں، سورج چاند کو گرہن لگے، گہرے سیاہ بادل چھا جائیں فضائی حادثہ ہو جائے یا جہاز سمندر میں ڈوب جائے تو بڑی لاپروائی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ طبعی امر ہے اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض ہے اور قسوت قلب کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایسے موقع پر خوف زدہ ہو جاتے تھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرتے، نماز میں مصروف ہو جاتے تھے۔

درسِ حدیث

تميمة الصبي في ترجمة الأربعين من أحاديث النبي

بچوں کے لیے چالیس جامع احادیث مبارکہ

مؤلف: نواب سیّد محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
تنقیح وتسہیل: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ اشاعت کے لیے کتب کا انتخاب کرتے وقت دو چیزیں ملحوظ خاطر رکھتے تھے: (۱) عامۃ المسلمین کے لیے اس کتاب کی افادیت اور ضرورت۔ (۲) اس موضوع پر علمائے سلف کی تصنیفات، تالیفات کو وہ ترجیح دیتے تھے۔ بچے چونکہ ہمارا کل، یعنی مستقبل ہوتے ہیں۔ ان کی تربیت کی ذمہ داری والدین پر ہوتی ہے اور گزشتہ صدی کی چوتھی دہائی سے دینی علم ہماری ترجیحات میں نہیں رہا تھا۔ مولانا رحمہ اللہ نے والا جاہ سیّد نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ کی بچوں کی تربیت کے لیے جمع کردہ مترجم اربعین، چالیس احادیث کو دار الدعوۃ السّلفیہ کی طرف سے شائع کیا تھا۔ ''الادب المفرد'' الحمد للہ چونکہ مکمل ہوچکی ہے اس لیے آج سے ہم دوسری بار نواب صاحب رحمہ اللہ کی تمیمۃ الصبي کو کمپیوٹر کی کمپوزنگ سے بالاقساط شائع کررہے ہیں کہ یہ اس سے پہلے کتابت کے ساتھ الاعتصام میں شائع کی جاچکی ہے۔

اس کے ترجمہ کی تہذیب وتنقیح ہمارے فاضل دوست مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے فرمائی ہے۔ لیجیے اب آپ حافظ صاحب کے وضاحتی نوٹ کے ساتھ اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ (احمد شاکر)

مجدد العلوم حضرت والا جاہ نواب سیّد محمد صدیق حسن خان مرحوم ومغفور (متوفی ۱۳۰۷ھ، ۱۸۹۰ء) کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کی تصنیفات کا دائرہ ہی اتنا وسیع اور متنوع ہے کہ کوئی موضوع ان کی فکری کاوش سے محروم نہیں رہا۔ یعنی نواب صاحب رحمہ اللہ موصوف نے خوب لکھا ہی نہیں بلکہ ہر موضوع پر دادِ تحقیق دی ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی تصنیفی زبان بھی کوئی ایک زبان نہیں بلکہ تین زبانیں ہیں: عربی، فارسی اور اردو۔ آپ کی اگرچہ اہم اور ضخیم علمی کتابیں عربی اور فارسی میں ہیں تاہم اُردو زبان میں بھی آپ کی متعدد کتابیں اور رسالے ہیں جو نواب صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں تحریر فرمائے تھے اور جن کا موضوع بالعموم اخلاقیات اور انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل ہیں یا پھر احادیث کے مجموعوں کے تراجم ہیں، جیسے توفیق الباری (ترجمہ الادب المفرد للبخاري) وغیرہ۔

برصغیر پاک وہند میں بولی جانے والی یہ زبان اُردو آج کل جس طرز اور اُسلوب میں لکھی جاتی ہے، ظاہر بات ہے کہ ایک صدی قبل جب کہ یہ زبان ابھی گھٹنوں کے بل چلنا سیکھ رہی تھی، اس کا طرز اس سے مختلف تھا جو اب متروک ہوگیا ہے۔ بنا بریں ضرورت اس امر کی ہے کہ نواب صاحب رحمہ اللہ کی جملہ اُردو کتابیں زبان وبیان کے معمولی ردوبدل اور اصلاح کے ساتھ دوبارہ شائع ہوں تاکہ موجودہ دور کے لوگ ایک صدی قبل کے نامانوس طرزِ تحریر کی وجہ سے ان سے استفادے سے محروم نہ رہیں۔

ذیل کی کتاب نواب صاحب رحمہ اللہ کی ایک اہم کتاب ''تمیمة الصبي فی ترجمة الاربعین من أحادیث النبي'' کی ایک ایسی ہی منقح ومہذب شکل ہے، جسے زبان کے نوک پلک درست کرکے ''الاعتصام'' میں شائع کیا جارہا ہے۔ والله هو الموفق والمعين .

یہ کتابچہ اگرچہ نواب صاحب رحمہ اللہ نے بچوں کے لیے لکھا تھا (جیسا کہ اس کے عربی نام سے ظاہر ہے) جس میں چالیس مختصر احادیث نبویہ ﷺ مع ترجمہ ومختصر تشریح جمع کردی ہیں۔ لیکن بڑوں کے لیے بھی یہ کتابچہ نہایت مفید اور اہم ہے۔ (ص۔ی)

الحمد لولیه والصلوة علی نبیه وآله وصحبه .

یہ کتاب ایسی چالیس احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کا مجموعہ

ہے جو دو یا تین کلموں پر مشتمل ہیں اور سنداً بالکل صحیح ہیں۔ نفع عام کی خاطر میں اُردو ترجمہ اور شرح کے ساتھ اس کو شائع کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس مجموعے کا نام ''تـمـيـمـة الـصـبـي فـي ترجمة الاربعين من احاديث النبي'' ہے۔

ا۔ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے

حدیث اوّل:

((الاعمال بالنيات .)) [1]

''سارے کاموں کا اعتبار نیت سے ہے۔''

فائدہ: یعنی کوئی عملِ قلب اور قالب اور فعل وترک اور قول واخذ اور عادات وعبادت بغیر نیت کے قبول نہیں اور نیت دل کا کام ہے۔ جب دل میں ارادہ ہو تو پھر زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر زبان سے کہا مگر دل غافل ہے تو اس طرح زبان سے کہنے کا اعتبار ہی کیا؟ اسی لیے اہل حدیث کہتے ہیں کہ نماز کی نیت زبان سے کرنا بدعت ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ مستحب ہے تاکہ زبان دل کے اور ظاہر باطن کے مطابق ہو جائے لیکن زبان سے نیت کرنا نہ سنت نبوی ہے، نہ سنت اصحاب وتابعین وتبع تابعین بلکہ احداثِ (نو ایجاد) فقہائے متاخرین ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ مومن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ تنہا نیت بغیر عمل کے بھی عبادت ہے اور اس پر اجر وثواب بھی مترتب ہوتا ہے۔ بہ خلاف عمل کے کہ اس کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔

دوسرا یہ کہ محلِ نیت دل ہے اور دل معرفت کی جگہ ہے۔ پس جو چیز معرفت کی جگہ سے پیدا ہو وہ اُس چیز سے بہتر ہے جو محل معرفت سے پیدا نہ ہو۔

تیسرا یہ کہ نیت پائیدار اور باقی رہنے والی چیز ہے اور عمل فنا ہو جانے والا ہے اور دوزخیوں اور بہشتیوں کا دوزخ اور بہشت میں رہنا سہنا ہمیشہ نیت کے موافق ہوگا، اگر دوزخ وجنت کا یہ عذاب وثواب بہ قدرِ عمل کے ہوتا تو اس میں دوام اور ہمیشگی نہ ہوتی، بہ قدر زمانۂ عمل کے ہوتا۔

چوتھا یہ کہ عمل ریا (دکھلاوے) سے مل کر فاسد ہو جاتا ہے اور نیتِ باطن میں ریا کو دخل نہیں۔ بعض آثار میں ہے کہ ''جب فرشتے بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں، حق تعالیٰ بعض فرشتوں سے فرماتا ہے کہ فلاں بندے کے نامۂ اعمال میں فلاں عملِ خیر لکھ۔ فرشتہ کہتا ہے: بارِ الٰہا! اُس نے تو یہ عمل کیا ہی نہیں، میں کیونکر لکھوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُس نے اس عمل خیر کی نیت کی تھی۔''

پانچواں یہ کہ اعمالِ خیر بے حد وبے حساب ہیں اور مومن تمام اعمالِ خیر کی نیت رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سارے عمل ادا کرے۔ لیکن سارے عمل کون کر سکتا ہے؟ سو بہ سبب نیت کے اُس کو سارے اعمال کا ثواب ملتا ہے اور مجرد نیت سے ہی وہ عمل حسنہ اس کے نامۂ عمل میں درج ہو جاتا ہے بلکہ ترک گناہ کی نیت پر بھی ایک حسنہ (نیکی) لکھی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک کام میں کئی نیتیں کرے گا تو سب کا ثواب ملے گا اور اگر ایک ہی نیت کرے گا تو ایک ہی کام کا ثواب ملے گا۔ جیسے کسی ہمسائے فقیر کو اس نیت سے دے کہ یہ حاجت مند ہے تو اس صورت میں اُسے صرف صدقے کا ثواب ملے گا (صلہ رحمی کا نہیں) اور اگر اس کو بہ نیت قرابت کے دے گا تو اس کو صرف صلہ رحمی کا اَجر ملے گا (ہمسائیگی (قرابت) کا نہیں) اور اگر دیتے وقت اس کی حاجت مندی اور قرابت (ہمسائیگی) دونوں کی نیت کرے گا تو دونوں چیزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا۔

ایک شخص مسجد میں بیٹھتے وقت یہ نیت کرے کہ خانہ خدا کی زیارت حاصل ہو۔ صحبت ناجنس سے علیحدگی ہو۔ گناہ سے اجتناب کا موقع ملے، یادِ خدا کے لیے تنہائی میسر آئے۔ قرآن کی تلاوت کرے اور نماز کا انتظار کرے وعلی ہذا القیاس تو اسے ان سب نیتوں کا ثواب ملے گا۔

اور کبھی عمل مباح بھی بہ سبب نیت خیر کے عبادت محض سے بہتر ہو جاتا ہے جیسے اس نیت سے سو رہنا یا

(باقی صفحہ نمبر ۱۲ پر)

[1] مشہور حدیث ہے جو صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح میں ہے۔ (ص،ی)

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۲

صاحبِ بذل المجهود کا اعتقادی منہج

ریاض احمد عاقب اثری

ا۔ پہلی غلطی:

قولہ: ''ارجا وہ عقیدہ ہے جس میں ایمان کے ساتھ نافرمانی نقصان نہیں دیتی۔'' (بذل المجهود: ۱۸/ ۱۹۹)

تبصرہ: ارجا کی یہ تفسیر باطل ہے کیونکہ (شارح) نے عام کو اس کے بعض افراد میں محصور کر دیا ہے اور مطلق کی مقید کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ یہ تفسیر کرنے کی وجہ صرف ماتریدیہ کا دفاع کرنا ہے کیونکہ وہ ارجا کی ایک قسم کے قائل ہیں۔

مصنف نے ارجا کی اس انداز سے تفسیر کی ہے جو ماتریدیہ کے ارجا کو شامل نہیں ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ماتریدیہ کا ارجا، ارجا کی واضح اقسام سے ہے۔ اس کی تفصیل ذرا یوں ہے کہ ارجا کی چار قسمیں ہیں:

۱: **غالیوں کے غالی اولین جہمیہ کے مرجئہ کا ارجا:** ان کے نزدیک ایمان صرف دل کی پہچان کا نام ہے اگرچہ انسان اپنی زبان سے کفر کا اظہار ہی کیوں نہ کرتا پھرے۔ اعتقاد، اقرار اور اعمال حقیقت ایمان سے خارج ہیں اور ایمان کے ساتھ معصیت نقصان دہ نہیں ہے جس طرح کفر کے ساتھ اطاعت نفع مند نہیں ہے۔ پس ان کے نزدیک شیطان، فرعون، قارون اور ہامان اور ان جیسے دوسرے کافر مومن ہیں۔ العیاذ باللہ

۲: **غالی کرامیہ کے مرجئہ کا ارجا:** ان کے نزدیک ایمان صرف زبان کے اقرار کا نام ہے۔ عقیدہ اور اعمال حقیقتِ ایمان سے خارج ہیں۔ ان کے نزدیک منافق دنیا میں مومن ہے لیکن آخرت میں وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۳: **جمہور ماتریدیہ، اشعریہ وکلابیہ جیسے غالیوں کا ارجا:** ان کے نزدیک ایمان صرف دل کی تصدیق کا نام ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے دنیوی احکام کے اِجرا کے لیے اقرار کو صرف شرط قرار دیا ہے، دیکھیں: شرح ضوء المعالي، ص: ۱۹، ۲۰، التمهيد، ص:۲٦، عمده، ص:١٧ از ابومعین نسفی، شرح عقائد نسفيه، ص:١٢١، شرح المقاصد: ٥/ ١٧٨، ١٧٩، المسايرة مع المسامرة، ص: ٣٣٤، نشر الطوالع، ص: ٣٧٤، ٣٧٥، الجوهرة المنفية، ص:٣

ان (ماتریدیہ، اشعریہ وکلابیہ) کے نزدیک جس نے دل سے تصدیق کی اور زبان سے (ایمان کا) اقرار نہیں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پانے والا مومن ہے۔

مؤلف کتاب (خلیل احمد سہارنپوری حنفی ماتریدی) چونکہ ماتریدی عقیدہ کے حامل ہیں تو انھوں نے ارجا کی وہی تفسیر کی ہے جس پر مرجئہ کے متشدد غالی کاربند تھے۔ یہ عمل انھوں نے ماتریدیہ کے دفاع میں کیا ہے تا کہ وہ مرجئہ میں داخل نہ ہوسکیں۔ اسی بنا پر انھوں نے ارجا کی وضاحت پہلی تفسیر کے مطابق کی ہے۔

۴: **مرجئ فقہاء کا ارجا:** جیسا کہ حماد اور ان کے شاگرد ابوحنیفہ اور دیگر اہل رائے کا ارجا ہے۔ ان کے نزدیک ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے لیکن عمل ایمان کی حقیقت سے خارج ہے۔ ان کا ارجا بہت ہلکا ہے جس پر زیادہ خرابی رونما نہیں ہوتی، دیکھیں: مقالاتِ اشعری، ص: ۱۳۲، ۲۷۹، شرح طحاویہ، ص: ۳۷۳، کتاب الایمان لابن مندہ، ص: ۳۳۱-۳۳۸

مرجئ فقہاء اور جمہور اہل سنت کے درمیان لفظی اختلاف ہے

جیسا کہ بعض اہل علم کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے، ان کے نزدیک معصیت بلاشبہ مومن کو نقصان دیتی ہے۔ دیکھیں: روح المعاني: ٩/ ١٦٧، سير أعلام النبلاء للذهبي: ٥/ ٣٣، شرح عقيده طحاويه لابن أبي العز، ص: ٣٦٢

حاصل کلام:

جب یہ ثابت ہو چکا کہ ارجا اور مرجئہ کی چار قسمیں ہیں تو پھر مؤلف نے جو اِرجا کی تعریف کی ہے وہ صحیح نہ ہوئی۔ بے شک یہ تعریف بے کار اور کھوٹی ہے کیونکہ ارجا کی یہ تعریف اولین جہمیہ کے غالیوں کی تعریف ہے۔ یہ ارجا کی مطلق تعریف نہیں ہے اور بے شک ماتریدیہ مرجئہ میں داخل ہیں جس کا بیان سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

۲۔ دوسری غلطی:

قولِ مؤلف: ''محدثین، فقہاء اور متکلمین کے تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔''

(بذل المجهود: ١٨/ ٢٠١)

تبصرہ: یہ کلام باطل ہے اور اس میں تدلیس اور دجل کاری ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ جمہور محدثین اور سلف ائمہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں۔ کئی ایک اہل علم مثلاً امام شافعی (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۳/۸۸۶)، امام بخاری (فتح الباری: ۱/۴۷)، امام احمد بن حنبل (مناقب احمد، ص: ۲۲۸ لابن الجوزی)، امام ابن عبدالبر (التمہید: ۹/۲۳۸) اور امام بغوی (شرح السنۃ: ۱/۳۸، ۳۹) نے سلف صالحین کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ایمان اعتقاد، قول اور عمل کا نام ہے۔

امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ کا قول ہے:

''میں نے جن اپنے شیوخ اور ساتھیوں سے ملاقات کی، ان سے میں نے سنا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

"الإيمان قول وعمل يزيد وينقص."

''ایمان قول اور عمل کا نام ہے جو زیادہ اور کم ہوتا ہے۔''

(شرح صحيح مسلم: ١/ ١٤٦)

ولید بن مسلم فرماتے ہیں:

''میں نے اوزاعی، مالک بن انس اور سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہم سے سنا ہے وہ ایسے حضرات کے قول کا انکار کرتے تھے جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار کا نام ہے اس میں عمل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ (مذکورہ ائمہ کرام) کہا کرتے تھے کہ عمل کے بغیر ایمان اور ایمان کے بغیر عمل صحیح نہیں ہے۔''

(عقیدہ ابن جریر، ص: ۱۰)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

''تابعین، ائمہ مسلمین اور فقہاء امصار کے ستر آدمیوں نے اس سنت پر اجماع کیا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی پھر انھوں نے اس سنت میں اس بات کا ذکر کیا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے جو اطاعت و فرمانبرداری سے زیادہ ہوتا ہے اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔''

(مناقب امام احمد، ص: ۲۲۸)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں مختلف بلاد میں ایک ہزار سے زائد علمائے کرام سے ملا، میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا جو اس مسئلہ میں اختلاف کرتا ہو کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور یہ بڑھتا اور کم ہوتا ہے۔'' (شرح اصول الاعتقاد للالکائی: ١/ ١٧٣، ١٧٤)

امام بغوی رقم طراز ہیں:

''صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد آنے والے محدثین کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔'' (شرح السنة: ١/ ٣٨، ٣٩)

اسی طرح ان کے نزدیک ایمان اچھے کاموں سے زیادہ ہوتا ہے اور برے کاموں سے کم ہوتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا:

''فقہاء اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور عمل کا دار و مدار نیت پر ہے۔ ان کے

نزدیک ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے اور تمام قسم کی اطاعات ان کے نزدیک ایمان ہیں۔''

(روح المعانی: ۹/۱۶۷)

علاوہ ازیں عمل چھوڑنے کی وجہ سے کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا، ہاں اگر وہ بالکل عمل ترک کردے تو اس وقت اس سے مطلق ایمان اٹھ جائے گا۔ باقی رہا بعض اعمال چھوڑنا تو اس سے مطلق ایمان زائل نہیں ہوگا لیکن ایمان مطلق یعنی ایمان کامل زائل ہوجائے گا۔ پس عمل کے ترک کرنے کے حساب سے انسان کے ایمان میں کمی وبیشی ہوگی۔

۳۔ تیسری غلطی:

جہمیہ کے انحرافات کے بیان میں حافظ ابن حجر کے قول پر صاحب بذل المجہود نے کہا ہے: ''صفات کے انکار کی وجہ سے سلف نے ان کی مذمت پر اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ انھوں نے کہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، وہ مخلوق ہے۔'' (بذل المجهود: ۱۸/ ۲۵۳)

تبصرہ: یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

سلف کا جہمیہ کی مذمت کا سبب صفات کا انکار، ان کی تعطیل اور نصوص کی تاویل وتحریف ہے۔ یہ خامی عمومی طور پر ماتریدیہ میں پائی جاتی ہے۔ دیکھیں: منہج الماتریدیہ فی العقیدہ (ص: ۴۵-۵۰) اور خاص کر مؤلف میں بھی موجود ہے کیونکہ وہ بھی ماتریدی ہیں۔ انھوں نے بہ ذاتِ خود اپنی کتاب ''المهند على المفند'' (ص:۳) میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ وہ عقیدے میں ماتریدی ہیں۔

اولین جہمیہ اس مصیبت میں اکیلے نہیں، بلکہ ماتریدیہ بھی اس بدعت میں ان کے شریک ہیں کیونکہ ماتریدیہ کے نزدیک قرآن حقیقی طور پر اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک وہ مخلوق ہے جس طرح اولین جہمیہ کے نزدیک قرآن مخلوق ہے تو قرآن کے مخلوق ہونے میں ماتریدیہ اور اولین جہمیہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حتی کہ ماتریدیہ نے اس کا اعتراف کیا ہے اور اس کی وضاحت بھی کی ہے۔ اس طرح انھوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ قرآن اپنے لفظ اور معنی کے ساتھ مخلوق ہے اور حقیقی طور پر اللہ کا کلام نہیں ہے لیکن یہ مجازی طور پر اللہ کا کلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی کلام پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ کلامِ نفسی ہے۔ (كتاب التوحيد لأبي منصور الماتريدي، ص: ۵۸، شرح عقائد نسفيه: ۵۳-۵۵)

میں کہتا ہوں: ماتریدیہ کی بدعت اولین جہمیہ اور معتزلہ کی بدعت سے زیادہ رسوا کن اور بری ہے کیونکہ اولین جہمیہ صرف خلق قرآن کی بدعت کے قائل ہیں لیکن ماتریدیہ نے اس بدعت کے ساتھ اور بدعات کا اضافہ کیا ہے:

۱: یہ عربی قرآن حقیقی طور پر اللہ رب العزت کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ مجازی طور پر کلام ربانی ہے۔

۲: حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام کلامِ نفسی ہے جس میں حرف اور آواز نہیں ہے اور نہ ہی اس میں خبر دینا، خبر طلب کرنا، امر اور نہی ہے اور وہ اجزاء میں تقسیم بھی نہیں ہوتا۔

یہ عقیدہ اولین جہمیہ اور معتزلہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ کلام نفسی کی بدعت کے قائل نہیں ہیں۔ ان تمام باتوں کا ماتریدیہ کو اعتراف ہے۔ دیکھیں: تبصرة الأدلة، ص:۱۱۸، اصول الدين لأبي اليسر، ص:۶۱، عقائد نسفيه، ص:۵۳-۵۸

۴۔ چوتھی غلطی:

حدیث اوعال (ثم الله تعالى فوق ذلك) کی شرح میں مؤلف کا قول ہے: ''فوقیت سے جہت اور کیفیت مراد نہیں ہے بلکہ وہ تشبیہ اور تکییف سے پاک ہے جیسا کہ سلف نے فرمایا ہے۔''

(بذل المجهود: ۱۸/۲۵۸)

تبصرہ: یہاں دو ملاحظات ہیں:

ا: مؤلف علوم حدیث سے دور ہیں کیونکہ وہ اپنی اس کتاب میں اسانید پر کلام نہیں کرتے حالانکہ حدیث اوعال [1] مشہور

---

[1] أبوداود، رقم الحديث: ۴۷۳۳ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں سماک مختلط ہے اور عبداللہ بن عمیرہ کا احنف بن قیس سے سماع ثابت نہیں۔ قاله البخاري. (اثری)

ومعروف ہے اوراس میں محدثین کرام کا کلام واضح ہے۔
علاوہ ازیں یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی فوقیت پر مشتمل ہے۔مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت کے بارے میں بہ کثرت دلائل ہیں۔بعض محدثین نے ان دلائل کی تحقیق کی ہے اور ایک ہزار سے زائد دلائل تلاش کیے ہیں۔دیکھیں:الجواب الصحيح: ٣/ ٨٤، الصواعق المرسلة: ٤/ ١٢٧٩

اللہ تعالیٰ کی فوقیت اس کی عظیم صفات سے ہے اور یہ حقیقی طور پر بغیر کسی مجاز،تکییف اور تمثیل کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ثابت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کو لائق ہے۔اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت کے اثبات پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔اس میں سوائے معطلہ (صفات الٰہی کے انکاری) کے کسی اور نے مخالفت نہیں کی۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كنا والتابعون متوافرون نقول: إن الله فوق عرشه ونؤمن بما وردت السنة الصحيحة من صفاته."

''ہم اور اکثر تابعین کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے، اور احادیث صحیحہ میں جو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات بیان ہوئی ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔'' (الأسماء والصفات، ص: ٤٠٨ وفتح الباري: ١٣/ ٤٠٦)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وإنما قال الأوزاعي هذا بعد ظهور مذهب جهم المنكر لكون الله عزوجل فوق عرشه والنافي لصفاته ليعرف الناس أن مذهب السلف كان خلاف ذلك."

''امام اوزاعی نے جہم بن صفوان، جو اللہ عزوجل کے عرش کے اوپر ہونے اور اس کی صفات کا منکر ہے، کے مذہب کے ظاہر ہونے کے بعد یہ بات کہی تا کہ وہ لوگوں کو واضح کردے کہ سلف صالحین کا مذہب اس کے خلاف ہے۔''

(مجموع الفتاویٰ: ۵/۳۹)

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

"نعرف ربنا بأنه فوق سبع سماواته على العرش استوى بائن من خلقه ولا نقول كما قالت الجهمية."

''ہم اپنے رب کو پہچانتے ہیں کہ وہ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے اور ہم جہمیہ کی طرح نہیں کہتے۔'' (السنة لعبد الله بن أحمد، ص: ١٣، الرد على الجهمية للدارمي، ص: ٦٧، الاسماء والصفات: ٤٢٧)

ب: مؤلف نے "وليس المراد بالفوقية الجهة" کہہ کر اللہ تعالیٰ کی صفت فوقیت کی تعطیل (نفی) کی ہے۔مؤلف کے اس کلام میں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کردیا گیا ہے۔تمام اولادِ آدم کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر اوپر ہے نہ کہ مجازی طور پر اسی عقیدہ پر بغیر کسی اختلاف کے اس امت کے تمام اسلاف اور محدثین قائم ہیں۔کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا۔اس مسئلہ پر ان کے پاس عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں۔ جب جہمیہ کا دور آیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت علو کا انکار کردیا۔ان کی پیروی میں ماتریدیہ، اشعریہ اور کلابیہ نے بھی صفت علو کی تعطیل (نفی) کردی اور اس بارے قرآن وحدیث کی نصوص میں تحریف کا ارتکاب کیا۔

ہاں سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کی صفت علو کو ثابت کرتے ہوئے تشبیہ اور تکییف کی نفی کی صراحت فرمائی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو کے اثبات سے تشبیہ لازم نہیں آتی۔سلف کے ہاں تشبیہ کی نفی کے ساتھ ساتھ صفات الٰہی کو ثابت کرنے سے کسی بھی صفت میں تشبیہ نہیں ہوتی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ نعیم بن حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”من شبه الله بشيء بخلقه فقد كفر، ومن انكر ما وصف الله به نفسه فقد كفر فليس ما وصف الله به نفسه ورسوله تشبيها.“

”جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ کسی بھی چیز میں تشبیہ دی، یقیناً اس نے کفر کیا، جس نے اللہ کی ان صفات کا انکار کیا جو اس نے بیان فرمائی ہیں، یقیناً اس نے بھی کفر کیا، جو صفات اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں وہ تشبیہ نہیں ہیں۔“ (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة: ۲/ ۵۳۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”قال أهل العلم في هذا الحديث وما يشبه هذا من الروايات من الصفات ونزول الرب تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا قالوا: قد ثبتت الروايات في هذا ويؤمن بها ولا يقال كيف؟ هكذا قول أهل العلم من أهل السنة والجماعة وأما الجهمية فأنكرت هذه الروايات وقالوا: هذا تشبيه.“

(سنن الترمذي: ۳/ ۴۱،۴۲)

”اس حدیث اور اس جیسی دوسری صفات والی روایات اور ہر رات آسمان دنیا کی طرف رب تعالیٰ کے نزول کے بارے میں اہل علم نے فرمایا ہے کہ صفات الٰہیہ کے بارے میں روایات صحیح ثابت ہیں ان پر ایمان رکھا جائے گا اور ان کی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی اہل سنت والجماعت کے علماء کا یہی قول ہے۔ باقی رہے جہمیہ تو انھوں نے ان روایات کا یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ ان سے تشبیہ لازم آتی ہے۔“

۵۔ پانچویں غلطی:

یہ بھی مؤلف کی خامیوں میں سے ایک خامی ہے کہ وہ وسیلہ کے پس پردہ قبر پرستی کی دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مصنف نے اپنے اسلاف بالخصوص زاہد کوثری سے خرافات نقل کی ہیں۔ اسی طرح اس نے قبر پرستی کے داعین مثلاً ابن حجر ہیتمی اور دیگر دعاۃ قبور سے بھی بدعات وخرافات حکایت کی ہیں۔ (بذل المجهود: ۱۸/ ۲۶۰)

میں کہتا ہوں کہ بہت سارے علمائے احناف وائمہ احناف نے ثابت کیا ہے کہ وسیلہ صرف اللہ کے اسماء وصفات اور اعمال صالحہ کے ساتھ برحق ہے۔ اس بارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

”کسی ایک کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارے اس بارے جس دعا کی اجازت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾

[الأعراف: ۱۸۰]

”اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں، انھیں ناموں سے اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ عنقریب ان کو بدلہ دیا جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے۔“

(الدر المختار مع حاشية رد المختار: ۶/ ۳۹۶)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”يكره أن يقول الداعي أسألك بحق فلان أو بحق أنبيائك ورسلك وبحق البيت الحرام والمشعر الحرام.“ (شرح فقه الأكبر، ص: ۱۹۸)

”دعا کرنے والے کے لیے یہ کہنا مکروہ ہے کہ میں تجھ سے فلاں شخصیت یا انبیاء ورسل اور بیت الحرام ومشعر الحرام کے وسیلہ سے مانگتا ہوں۔“

امام صاحب کا مزید فرمان ہے:

"وأكره أن يقول بمعاقد العز من عرشك أو بحق خلقك." (اتحاف السادة المتقين: ٢/ ٢٨٥)

''میں ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی دعا کرنے والا اپنی دعا میں یوں کہے کہ میں تیرے عرش کی جائے عزت یا تیری مخلوق کے واسطے سے مانگتا ہوں۔''

امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ علیہما کا قول ہے:

"وأكره أن يقول بحق فلان أو بحق أنبيائك ورسلك وبحق البيت الحرام والمشعر الحرام." (التوسل والوسيلة، ص: ٨٢-٩٩)

''میں ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی یہ کہے کہ میں فلاں شخصیت یا تیرے انبیاء ورسل اور بیت الحرام ومشعر الحرام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔''

باقی رہا قبر پرستی کے داعین کا وسیلہ یہ تو حقیقی طور پر بدعتی وسیلہ ہے جو کہ غیر مشروع ہے۔

لفظ کراہت احناف کے اصول کے مطابق تحریمی ہے تو معلوم ہوا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کسی کی ذات اور بحق فلاں کا وسیلہ حرام ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کا دم بھرنے والے عقائد کے باب میں کتنی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے امام کی مخالفت کرکے غیر مقلد ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ (جاری ہے)

بقیہ: تمیمة الصبي

جائز خوش طبعی کرنا کہ اس کے بعد نماز سکون اور اطمینان سے ادا ہو۔ یہ یقیناً اس نماز سے بہتر ہے جو سستی اور کاہلی سے پڑھی جائے۔ اسی طرح اگر ان کاموں کو بری نیت سے کرے گا تو سب کا گناہ ملے گا۔ جیسے مسجد میں اس نیت سے جائے کہ راستے میں خوب صورت لڑکی دیکھنے کو ملے گی یا مسجد میں جاکر فخر اور بڑائی کے اظہار کے لیے علمی بحث کرے یا خوشبو اس واسطے لگائے کہ اس طرح اس کی ثروت وزینت ظاہر ہو۔

ملحوظہ:

یاد رہے کہ نیت خیر سے کوئی عملِ حرام جائز نہیں ہوسکتا۔ جیسے کوئی شخص اس نیت سے شراب پیے کہ نماز کے لیے قوت پیدا ہو، یا اس لیے راگ سنے کہ یادِ الٰہی اور ذوق وشوقِ خدا پیدا ہو، یا مالِ حرام سے مسجد بنائے یا حج کرے یا زکاۃ دے کہ غریبوں کی حاجت برآری ہو۔ یہ سب کام حرام یا مکروہ ہیں، جو باعث ثواب نہیں، موجب عذاب ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ

قسط نمبر ①

حجاب ڈے یا حجاب؟

ام عبدمنیب

دورِ حاضر میں پوری دنیا کے فاصلے سمٹتے جا رہے ہیں جو موضوع مغرب میں چھڑتا ہے وہ اسی وقت مشرقی دنیا کے کونے کونے تک پہنچ جاتا ہے اور جو بحث مشرق میں چھڑے وہ مغربی دنیا میں بھی موضوعِ بحث بن جاتی ہے۔ ایک خبر کو ایک سیکنڈ میں نیٹ ورک پوری دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیتا ہے۔

کسی دور میں لوگ مختلف ملکوں، جزیروں، ایجادات اور حیرت انگیز معلومات کے متعلق صرف پڑھا یا سنا کرتے تھے لیکن آج اپنے گھر میں انٹرنیٹ یا موبائل کو آن کر کے وہ ان تمام چیزوں کو اپنی اصل شکل میں حرکت کرتے دیکھ لیتے ہیں۔ یہ زود انگیز تبدیلی انسان کے اندر ذہنی وجسمانی تبدیلیوں کا باعث ثابت ہوئی ہے اور اس نے سابقہ افکار واقدار کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اب کوئی بھی قوم یا خطہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ اپنی اقدار وروایات پر کلیتاً کاربند ہے۔

دیگر اقوام اپنی اقدار کو الٹ پلٹ کر دیں یا ان پر کاربند رہیں، ہم مسلمانوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کیونکہ ان کا انجام بہرصورت جہنم ہے، کافر کا اس کے سوا اور کوئی انجام ہے ہی نہیں لیکن ایک مسلمان جسے اس کا رب اور اس کے رسول ﷺ کی پیش کردہ شریعت پابند کرتے ہیں کہ وہ شرعی اقدار وروایات پر مضبوطی سے جما رہے اور کافروں کی اقدار وروایات کو کبھی بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔ وہ ایسا کرے تو یقیناً یہ انتہائی آزار دینے والی بات ہے۔

یہ المیہ اس وقت مزید خطرناک صورت اختیار کر جاتا ہے جب مسلمان کافروں کی اقدار وروایات کو اپنا لے اور اسے یہ احساس بھی نہ ہو کہ وہ شریعت حق کی حدود سے باہر نکلنے کے مہلک مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اس بے خبری یا سادہ لوحی پر دل تڑپتا ہی نہیں خون کے آنسو روتا ہے۔

اس وقت ہمارا لباس، ہمارے مکان، ہماری تقریبات، ہمارے رسم ورواج، ہمارا حلیہ، ہماری چال ڈھال، ہماری زبان، ہمارا نظامِ تعلیم، ہماری معیشت وسیاست، ہماری عدالتیں، ہماری انتظامیہ سب چیخ چیخ کر دہائی دے رہے ہیں کہ ہمارا تعلق اسلام سے نہیں بلکہ مشرکوں، کافروں، فاسقوں، یہودیوں اور عیسائیوں سے ہے۔

حجاب جو مسلمان عورت کی امتیازی علامت ہے، جو اسے احترام ووقار دینے کے ساتھ ساتھ اس کی عفت وعصمت کی حفاظت کا ایک مضبوط حصار بھی ہے، دورِ حاضر میں اس کا چہرہ بری طرح مسخ کیا جارہا ہے، روشن خیال خواتین وحضرات اور کافر وملحد اقوام حجاب کا حلیہ بگاڑنے کے لیے بڑی بری طرح اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ادھر کفار بھی یہ ٹھان چکے ہیں کہ عورت جہاں بھی حجاب میں نظر آئے گی، اس سے زبردستی یہ حجاب اتروایا جائے گا۔

آج سے ۷۰ سال قبل اتاترک نے کافروں کی اس ناپاک خواہش کو پورا کرنے کے لیے باقاعدہ ترکی میں ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے کوئی بھی عورت اپنے سر پر کوئی کپڑا نہیں لپیٹ سکتی تھی اور نہ چہرے کا حجاب کرسکتی تھی۔ یہ قانون تقریباً اسی سال گزرنے کے بعد اب بھی نافذ ہے۔ ہاں! اب اس میں اتنی لچک ضرور آئی ہے کہ اب ترکی میں عورتیں چہرہ ننگا رکھ کر اپنے سر پر رومال یا دوپٹہ لے سکتی ہیں۔

مصر میں جمال عبدالناصر نے بھی یہی کیا اور مسلم خواتین پر چہرے کا حجاب کرنے پر پابندی عائد کر دی اور یہ پابندی تا حال جاری ہے البتہ اس میں اب پہلے کی طرح شدت نہیں رہی۔

لیبیا میں صدر قذافی نے بھی مسلمان خواتین پر چہرہ ڈھانپ کر باہر نکلنے پر پابندی عائد کردی۔ پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو نے پہلی بار سول مارشل لاء کے ذریعے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کے دوران خود اپنے ہاتھ سے چند خواتین کے چہرے سے نقاب اتروا دیے اور کہا کہ یہ ملا کا مسلط کردہ پردہ ہے، یہ اسلام کا عائد کردہ قانون نہیں ہے اور یہ کہ پردہ تو دل کا ہوتا ہے یا آنکھ کا۔

غرض کافروں نے ہی نہیں خود مسلمان حکمرانوں نے مسلمان ممالک میں حجاب پر پابندی عائد کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے اختیار کیے۔ اس وقت عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عمومی فضا بنا دی گئی ہے، جس میں بالترتیب یہودی، ہندو، عیسائی کے ساتھ ساتھ دنیا کے تمام ایسے مسلمان جو کسی نہ کسی طرح استعمار کا آلہ کار بن چکے ہیں اور روشن خیالی کے نام پر الحادی مذہب اختیار کر چکے ہیں، وہ سب بھی اسلام اور اسلامی تشخص کی حامل ہر روایت اور ہر شعار کو نیست و نابود کرنے اور اس میں نقص نکالنے کی مہم میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔ چنانچہ حجاب مخالف مہم بھی کئی انداز سے جاری ہے، جس میں درج ذیل امور شامل ہیں:

۱: یہ ثابت کرنا کہ قرآنِ حکیم اور احادیث میں چہرے کے پردے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ چہرے کا پردہ ملاؤں کی ظالمانہ ایجاد ہے۔

۲: چہرے کا پردہ عورت پر ظلم، اس کو قید کرنے کے مترادف اور دورِ جہالت کی علامت ہے۔

۳: پردہ ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

۴: عورت صرف اپنا دوپٹہ یا چھوٹا سا رومال سر پر لے لے اور چہرہ ننگا رکھے۔ اصل پردہ یا حجاب اسی کا نام ہے۔

۵: عورت گاؤن پہن لے اور اس پر ایک چھوٹا سا رومال سر پر باندھ لے اسی کا نام حجاب ہے۔

۶: اگر کوئی عورت چہرہ نہیں ڈھانپتی یا سر پر رومال نہیں لپیٹتی تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ شریعت نے برقعے یا گاؤن اسکارف کا کوئی حکم نہیں دیا۔

۷: بعض ایسی پاکستانی عورتیں جو جسم فروشی کا کام کرتی اور مختلف سڑکوں پر گاہکوں کی تلاش میں کھڑی ہوتی ہیں وہ برقع اوڑھ کر کھڑی ہوتی ہیں تاکہ ان کے چہرے کو دیکھ کر کوئی پہچان نہ سکے۔ لہٰذا یہ نکتہ بھی عام طور پر اٹھایا جا رہا ہے کہ چہرے کا پردہ یا برقع اب جسم فروش عورتوں کی علامت بن چکا ہے لہٰذا اسے ترک کر دینا چاہیے اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ عام لباس پہن کر چہرہ ننگا رکھا کریں۔

سب سے بڑا ستم یہ کہ اس وقت حجاب کو دہشت گردی کے ساتھ نتھی کر کے اسے اور بھی وحشت ناک اور بھیانک روپ دینے اور اسے بم دھماکے کروانے والوں کی علامت قرار دینے پر پورا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ چہرے کے نقاب کو قاتلوں لٹیروں اور فساد پھیلانے والوں کی علامت قرار دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ حجاب کو ختم کرنے کی مہم دہشت گردی ختم کرنے کی مہم کا باقاعدہ ایک حصہ بن چکی ہے۔ اس وقت فرانس، جرمنی، برطانیہ، امریکا، بیلجیئم، آسٹریلیا، ناروے غرض اکثر مغربی ممالک میں عورتوں کے سر پر رومال لینے پر پابندی عائد کر کے اس کا اہتمام کرنے والی خواتین پر جرمانہ کرنے کا قانون نافذ کر دیا گیا ہے۔

اگر ہم پردہ مخالف مہم کو تاریخی تسلسل میں دیکھیں تو صورتِ حال کچھ یوں نظر آتی ہے:

☆ ۱۹۸۱ء تنزانیہ میں سرکاری دفاتر میں حجاب پہننا ممنوع قرار دیا گیا۔

☆ ازبکستان میں داڑھی والے مردوں اور برقعے والی عورتوں کو حجاب کی وجہ سے گلیوں اور بازاروں میں پریشان کیا جاتا ہے۔

☆ تیونس میں حجاب پہننے کی وجہ سے اکثر خواتین کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔

☆ فرانس کی وزیر انصاف میشیل الیوٹ میری نے کہا: جمہوریت وہاں پروان چڑھتی ہے جہاں اس کے شہریوں کا

چہرہ کھلا ہوتا ہے۔
☆ فرانس کی حزب اختلاف کیمونسٹ پارٹی کی انڈری گیرن نے برقعے کا موازنہ ایک چلتے پھرتے تابوت سے کیا۔
☆ برطانیہ کے سینٹر فار سوشل کو ہیٹرن کے ڈائریکٹر گلس مرے نے حجاب پر پابندی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا: برقع پہننے کے لیے مذہب کو استعمال کرنے کی دلیل مکمل طور پر بوگس ہے۔ قرآن میں ایسی کوئی بات نہیں جو خواتین کو سیاہ بوری میں بند کرنے کو جائز قرار دے۔ (نوائے افغان جہاد، اگست ۲۰۱۰ء)
☆ شام کے وزیر تعلیم غیاث برکت نے کہا: یہ شام کی ثقافتی اقدار اور جامعات کی روایت کے خلاف ہے کہ یہاں طالبات چہرہ چھپائے تعلیم حاصل کرنے آئیں۔ (حوالہ سابق)
☆ ۲۰۰۵ء میں اٹلی میں اینٹی ٹیرر لاز کے تحت برقع اوڑھنے پر پابندی لگا دی گئی۔
☆ ۲۹/اپریل ۲۰۱۰ء میں بیلجیئم میں حجاب مخالف بل پاس ہوا۔
☆ ۳۱/جولائی ۲۰۱۰ء میں فرانس میں حجاب مخالف بل پاس ہوا۔ حجاب کرنے والی عورت کو ۷۵۰ یورو جرمانہ کیا جائے گا۔ جو خاتون مسلسل تین بار حجاب میں نظر آئی اسے ملک بدر کردیا جائے گا۔
☆ جو مرد اپنی بیوی کو برقع پہننے پر مجبور کرے اسے ۳۰،۰۰۰ یورو جرمانہ اور ایک سال قید۔
☆ ۲۳/جون ۲۰۱۰ء میں اسپین کی سینٹ نے وزیر اعظم جوز لوئس روڈ گویز سے کہا کہ پبلک مقامات پر نقاب پہننے پر پابندی عائد کی جائے۔ قرارداد منظور کرلی گئی۔ (روزنامہ جنگ: ۲۴/جون ۲۰۱۰ء)
☆ یکم جولائی ۲۰۰۹ء میں جرمنی کی عدالت میں ۳۲ سالہ مصری مسلمان خاتون مروہ شربینی کو حجاب کرنے کے ''جرم'' میں شہید کردیا گیا۔
☆ ۲۰/جولائی ۲۰۱۰ء میں مغربی ممالک کی تقلید میں شام میں تعلیمی اداروں میں خواتین اور لڑکیوں کے حجاب پہننے پر پابندی عائد کردی گئی۔
☆ ۲۱/جولائی ۲۰۱۰ء میں جرمنی کی ۱۶ میں سے ۷ ریاستوں میں ہیڈ اسکارف پر پابندی عائد کردی گئی۔
☆ ۱۱/اپریل ۲۰۱۱ء میں فرانس میں حجاب مخالف قانون کا نفاذ شروع ہوگیا، پہلے روز متعدد خواتین کو ۲.۲ سو ڈالر جرمانہ اور ۶۰ خواتین کو گرفتار کیا گیا۔ (نوائے وقت: ۱۲/اپریل ۲۰۱۱ء)

جلباب کا حکم

حجاب کے فرض ہونے سے پہلے عرب خواتین درج ذیل انداز سے باہر نکلا کرتی تھیں:
☆ بعض خواتین صرف چہرے پر نقاب ڈالتی تھیں، یہ چمڑے کا ہوتا تھا جو سر اور منہ کو بھی ڈھانپ لیتا لیکن آنکھیں ننگی ہوتی تھیں۔
☆ بعض دوپٹے کو سر پر رکھ کر اس کے دونوں پلو پیچھے کی طرف گرا دیتی تھیں اس طرح سینے اور پیٹ کی نمائش بھی ہوتی تھی۔
☆ بعض خواتین دوپٹے کو سینے پر کھول کر ڈال لیا کرتی تھیں اور دوپٹہ موٹا استعمال کرتیں۔ جب کہ بعض خواتین باریک دوپٹے لیا کرتی تھیں جس سے سینے اور گردن کی جھلک نظر آتی۔ اللہ تعالیٰ نے مومن خواتین کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے حجاب کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [الأحزاب: ۵۹]

''اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

جلابیب ''جلباب'' کی جمع ہے جس کا ترجمہ بڑی چادر کیا جاتا ہے۔
☆ جلباب خاص حکم ہے جو مومن خواتین کے لیے ہے۔
☆ جلباب مسلمان عورت کا امتیازی لباس ہے تاکہ عورت کے

مسلمان ہونے کا پتا چل جائے۔ جو خواتین جلباب نہیں اوڑھتیں وہ گویا اپنے تشخص کو ضائع کر دیتی ہیں۔

☆ جلباب، بڑی چادر نہ اوڑھنا اپنے آپ کو کافر عورتوں میں ضم کر دینے کا جرم کرنا ہے۔

☆ جلباب مسلمان خواتین کا شعار ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انصاری عورتوں کی تعریف کی اور فرمایا:

جب سورہ نور کی آیات نازل ہوئیں تو ان عورتوں نے بستر کی چادریں اور مردوں کی چادریں پھاڑ کر اپنی جلباب بنا لیں۔

(ابوداود، رقم الحدیث: ۴۱۰۰، احمد: ۱۸۸/۶)

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو انصاری عورتیں جب باہر نکلتیں تو ایسے لگتا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں، ان سیاہ چادروں کی وجہ سے جو وہ اپنے اوپر لینے لگی تھیں۔ (ابوداود، رقم الحدیث: ۴۱۰۱)

جلباب کا معنی ہے بڑی چادر۔ یدنین کا مصدر ادناء ہے جس کے معنی ہیں قریب کرنا مگر جب اس کے بعد علٰی کا حرف آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ارخاء یعنی لٹکانا تو ﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ کا معنی ہوا ''اپنے اوپر اپنی چادروں کے کچھ حصے لٹکا لیا کریں۔'' (علامہ جوہری متوفی ۳۹۳ھ)

☆ اس سے مراد بڑی چادر ہے جسے عورت اس طرح اپنے اوپر لپیٹ لے کہ اس کے جسم میں سوائے ایک آنکھ کے جس سے دیکھنے کا کام لے اور کچھ کھلا ہوا نہ ہو۔ (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

☆ چادر پیشانی کے اوپر لپیٹ کر باندھ لے پھر اس کا پلو موڑ کر ناک بھی چھپا لے۔ (قتادہ رحمہ اللہ)

☆ جلباب اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پورے بدن کو ڈھانپ لے اور جو کپڑا پورے بدن کو نہ ڈھانپے اسے جلباب نہیں کہتے۔

(امام ابن حزم رحمہ اللہ)

جلباب کی علماء نے درج ذیل شکل بتائی ہے:

☆ اس کا کپڑا موٹا ہو، باریک نہ ہو کہ نیچے پہنے ہوئے کپڑے نظر آئیں۔

☆ اتنی لمبی چوڑی ہو کہ پورے بدن کو ڈھانپ لے۔

☆ اس پر کسی قسم کے نقش ونگار، کڑھائی، سنجاف، چمکیلے بٹن، جھالر، گوٹا طلا نہ ہو ورنہ یہ خود زینت بن جائے گی۔ جب کہ جلباب کا مقصد زینت چھپانا ہے۔

☆ رنگ جاذب نظر نہ ہو بلکہ میلا میلا ہو تا کہ مردوں کی نظریں اس کی طرف نہ اٹھیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: جلباب المرأة المسلمہ للالبانی۔ فقہ النساء از محمد عطیہ خمیس)

کئی صدیوں تک اسلامی معاشروں میں اس معروف جلباب کا رواج رہا۔ ہمارے علاقے پنجاب میں عورتیں لٹھے کی بڑی بڑی چادریں لے کر پردہ کیا کرتی تھیں، جب کہ ٹوپی والے برقعے بھی عام رائج تھے جو پشاور اور بلوچستان کی عورتیں بھی استعمال کیا کرتی تھیں۔

جب سرمایہ دارانہ جمہوری نظام نے اپنے پنجے پوری دنیا میں گاڑنے شروع کیے اور عورت کو بھی گھر سے نکالا تو اکثر مسلمان خواتین نے حجاب کے احکام کو پس پشت ڈال دیا اور عیار مردوں نے اسے یہ کہا کہ اسلام میں پردہ نہیں ہے۔

گاؤن اسکارف اور برقع:

جب باپردہ خواتین نے بھی لوگوں کا چلن دیکھ کر گھروں سے باہر نکل کر کام کرنے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے جلباب میں اپنے اپنے علاقائی انداز میں کچھ ترمیم کی اور اسے سی کر موجودہ برقع کی شکل دے لی۔ رفتہ رفتہ اس برقعے کی شکلیں بھی بدلتی گئیں اور اب چند ایک نہیں بلکہ پہننے والے لباس کی طرح ان گنت تراش خراش پر مشتمل برقعے رائج ہو چکے ہیں۔

دورِ حاضر میں عموماً نیچے گاؤن یا عبایا پہنایا جاتا ہے جو گھٹنوں سے لے کر پاؤں تک یا لمبائی کے لحاظ سے اپنے اپنے ذوق کے مطابق چھوٹا یا لمبا ہوتا ہے۔ تراش خراش میں بہت تنگ بھی اور بہت کھلا بھی، ڈیزائن کے لحاظ سے قمیص کی طرح ہزاروں دیدہ زیب ڈیزائنوں پر

مشتمل اس کے اوپر اسکارف لیا جاتا ہے جسے اردو میں رومال، بعض علاقوں میں سٹالر اور بعض علاقوں میں ایشارب بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رومال بھی کئی قسم کے پھول دار، کڑھائی یا موتی ٹانکوں سے سجے ہوئے اور سادہ بھی ہوتے ہیں۔ افغانستان میں پاؤں تک پہنے جانے والے برقعے کو ''چادری'' کہا جاتا ہے۔

جلباب کو چھوڑنے کا حربہ کامیاب رہا اور گاؤن اسکارف کی وجہ سے عورتوں کو حجاب کے نام پر بے حجابی کا رسیا بنانے کی مہم کامیاب ہوگئی۔

غور کیجیے! گاؤن تو دراصل قمیض ہی کا نام ہے لیکن اسے عبایا یا کوٹ کہلوانے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہر لباس کے ساتھ گاؤن اسکارف بھی بدل لیا جاتا ہے۔

سر پر لیا جانے والا اسکارف اتنا چھوٹا تکونا یا گول کپڑا ہوتا ہے کہ اس سے صرف سر کا حصہ یا مشکل سے چہرہ ڈھانپا جاتا ہے، عورت کے کندھے، سینہ، کمر وغیرہ سب کچھ ننگا ہو کر دعوتِ نظارا دے رہا ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ وہی اسکارف ہے جو عیسائی کافروں کے ہاں ان کی راہبہ یا نن اوڑھتی ہیں اور انھی کی پیروی میں نرسوں کے لباس کا بھی حصہ ہے۔

اس اسکارف میں سے آنکھیں ننگی رکھنا آسان بلکہ ناگزیر ہے۔ جب کہ جلباب کے گھونگھٹ سے دوسروں کی طرف دیکھنا یا انھیں اپنی آنکھیں دکھانا مشکل ہوتا تھا۔ نیز جلباب پورے جسم کی ہر قسم کی آرائش کو چھپا لیتی تھی، جب کہ گاؤن یا عبایا کی وجہ سے جتنی آرائش دکھانا چاہیں ننگی رکھ کر دکھائی جا سکتی ہے۔

کفر اس پر بھی مطمئن نہیں ہوا۔ اب اس نے ایک اور چال چلی، کہا گیا کہ اسلام میں چہرے کا پردہ فرض نہیں مستحب ہے۔ گو دورِ قدیم میں بھی بعض علماء نے یہ بات کہی لیکن عملی طور پر پڑھی لکھی، سمجھ دار، حیا دار خواتین ہمیشہ اپنے چہرے کو گھونگٹ سے چھپاتی رہیں اور چہرے کے پردے کو مستحب کہنے والے علماء کے گھر کی خواتین سب سے زیادہ چہرے کا پردہ کرنے میں پیش پیش رہیں۔

دورِ حاضر میں اس مسئلے کو اتنا عام کیا گیا کہ لاشعوری طور پر بڑے بڑے لوگ بھی اس فتنے کو نہ سمجھ سکے۔ اب کیا تھا عورتوں نے گاؤن اور اسکارف پہن کر چہرہ ننگا کر لیا، یا پھر اوڑھنی کو گول کر کے بکسوا لگا کر باندھ لیا اور چہرہ ننگا رکھا، اس طرح عورت کا چہرہ جو دوپٹے یا عام اوڑھنی میں اتنا نمایاں نہیں ہوتا تھا، خوب نمایاں ہو گیا بلکہ جس عورت کی شکل صورت اتنی خوب صورت نہیں بھی ہو، اسکارف کے ہالے میں اس کا چہرہ بھی نمایاں ہو کر پرکشش ہو جاتا ہے۔

صرف یہی نہیں گاؤن اسکارف نے عورت کو کئی مشکلات میں ڈال دیا:

- ☆ جلباب کسی بھی میلے رنگ والے کپڑے کی بنائی جا سکتی ہے لیکن گاؤن یا اسکارف کے لیے دیدہ زیب رنگ دیکھا جاتا ہے۔
- ☆ جلباب پر آرائش کرنا ممکن نہیں لیکن گاؤن اسکارف پر شلوار قمیص سے بھی زیادہ کڑھائی اور آرائش کی جا سکتی ہے۔
- ☆ جلباب کی تراش خراش کی ضرورت ہی نہیں ہوتی جب کہ گاؤن اسکارف کے ہزار ہا ڈیزائن بنائے جاتے ہیں۔
- ☆ جلباب کو استری کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن گاؤن اسکارف کے لیے استری کا تکلف کیا جاتا ہے۔
- ☆ چادر یا جلباب کو بار بار دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن گاؤن اسکارف کو بار بار دھونا پڑتا ہے۔
- ☆ جلباب کا رنگ اڑ جائے یا قائم رہے پروا نہیں لیکن گاؤن اسکارف کا رنگ خراب ہو جانے پر اسے بدل لیا جاتا ہے۔
- ☆ ایک بار جلباب لی ہوئی ساری عمر بھی چل سکتی ہے لیکن گاؤن اسکارف بار بار سلوانے پڑتے ہیں۔
- ☆ عورت جب کھلی ڈھلی، موٹے کپڑے کی، کسی میلے رنگ والی، بغیر کسی آرائش کے اور بغیر استری کیے اپنا جسم جلباب سے ڈھانپتی ہے تو اس کا سراپا اس عورت سے بہت مختلف ہوتا ہے جو فیشن ایبل، تنگ، آرائش سے سجا ہوا، جاذبِ نظر، قیمتی کپڑے کا، استری کیا ہوا گاؤن اسکارف پہنتی ہے۔ (باقی صفحہ نمبر ۲۲ پر)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ۲

چہرے کا پردہ شریعت کی روشنی میں

خزیمہ ہارون الرشید کیلانی

پردہ کے وجوب پر دلائل

پردہ کے وجوب پر احادیث:

قرآنِ مجید سے دلائل ذکر کرنے کے بعد اب احادیث رسول ﷺ سے دلائل ذکر کیے جائیں گے۔ اس کے بعد مستحب کے قائلین کے دلائل ذکر کیے جائیں گے۔

دلیل نمبر۱:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قافلے ہمارے پاس سے گزرتے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں ہوتیں۔ جب وہ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے سر سے چہروں پر اپنی چادریں لٹکا لیتیں جب وہ گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے ننگے کرلیتیں۔'' (مسند أحمد: ٦/ ٣٠)

دلیل نمبر۲:

سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مردوں سے اپنے چہرے چھپا لیتیں اور ہم احرام سے قبل کنگھی کرتی تھیں۔''

(موطأ امام مالك، رقم الحديث: ٥)

دلیل نمبر۳:

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ نقاب کی حالت میں طواف کررہی تھیں۔

(ابن سعد: ٨/ ٤٩٠)

علامہ البانی نے یہ حدیث ذکر کرکے فرمایا ہے کہ اس روایت میں اگرچہ انقطاع ہے مگر اس کے دیگر شواہد موجود ہیں۔

دلیل نمبر۴:

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سیّدہ صفیہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ نقاب کیے ہوئے تھیں پس آپ ﷺ نے لوگوں کے درمیان دونوں کو پہچان لیا۔

(ابن سعد: ٨/ ٩٠)

دلیل نمبر۵:

عاصم الاحول فرماتے ہیں کہ ہم حفصہ بنت سیرین کے پاس گئے اور انھوں نے جلباب کے ساتھ پردہ کرلیا۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کریں۔ آپ عمر کے اس حصے میں ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ.....﴾ [النور: ٦٠]

حفصہ بنت سیرین نے کہا کہ اس آیت کے بعد کیا ہے؟ ہم نے کہا: ''اگر وہ پردہ کریں (بچیں) تو بہتر ہے۔'' حفصہ نے فرمایا: یہی تو حجاب کے اثبات پر دلیل ہے۔ (البیهقی: ٧/ ٩٣)

علامہ البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

دلیل نمبر٦:

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ازواج النبی ﷺ کو حج کی اجازت دی اور ان کے ساتھ عثمان اور عبدالرحمٰن کو بھیجا۔ سیّدنا عثمان نے منادی کی۔ خبردار ان ازواج النبی کے قریب کوئی نہ جائے، اور نہ ہی ان کی طرف کوئی دیکھے۔ (ابن سعد: ٨/ ١٥٢) علامہ البانی نے اسے حسن کہا ہے اور اس روایت کو مشروعیت پردہ کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

دلیل نمبر۷:

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے محرم عورت کو پردہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی، رقم الحدیث: ٢٦٧٤) چونکہ

عورتوں پر پردہ مشروع ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ نے احرام کی حالت میں منع فرمایا ہے کہ کہیں عورتیں احرام کی حالت میں بھی پردہ نہ کرتی رہیں۔

دلیل نمبر ۸:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا کہ اندر آ جاؤں؟ (یعنی اجازت مانگی)۔ میں نے اجازت نہ دی۔ جب نبی اکرم ﷺ آئے تو میں نے ذکر کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ تمھارا چچا ہے اس کو اجازت دے دو۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے نہ کہ مرد نے (تو یہ کیسے میرا چچا بنا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تیرا چچا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ ہم پر حجاب لازم ہونے کے بعد کا ہے۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۵۲۳۹)

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے چہرے کا پردہ ہی کرنا تھا۔ اگر چہرے کا پردہ مستحب ہوتا تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اجازت مرحمت فرما دیتیں۔ چونکہ چہرے کا پردہ واجب تھا لہٰذا بالکل اجازت نہ دی۔ واللہ اعلم

دلیل نمبر ۹:

حضرت ابوالاحوص سے روایت ہے اور وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ عورت پردہ ہے جب عورت نکلتی ہے تو شیطان اسے خوب صورت کر کے دکھاتا ہے۔ (ترمذي، رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت تمام کا تمام پردہ ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب عورت میں حیا کی رمق موجود تھی اور بری عورت بھی صرف چہرہ یا سر ننگا کرتی ہو گی۔ اور زینت کا اصل مرکز تو ہوتا ہی چہرہ ہے۔ لہٰذا باقی احادیث کو ملا کر اس سے عورت کا چہرہ اور تمام بدن مراد لیا جائے گا۔

دلیل نمبر ۱۰:

سیّدنا جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے اگر ممکن ہو تو اس کی وہ چیز (چہرہ) دیکھ لے جو اس کے ساتھ نکاح کی داعی ہے۔

(سنن ترمذي، رقم الحدیث: ۲۰۸۲)

اس روایت میں نبی ﷺ نے اس چیز کو دیکھنے کی اجازت دی ہے جو نکاح کی داعی ہو اور نکاح کی طرف راغب کرنے والی چیز تو چہرہ ہی ہے۔

دلیل نمبر ۱۱:

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''احرام والی عورت نقاب اور دستانے استعمال نہ کرے۔'' (ترمذي)

اس سے ثابت ہوا کہ عورت عام حالات میں مکمل پردہ کرے تبھی تو اسے حالت احرام میں مخصوص نقاب اور دستانوں کے استعمال سے روک دیا گیا ہے۔

دلیل نمبر ۱۲:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مہاجر عورتوں پر رحم کرے جب اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن﴾ نازل کی تو انھوں نے اپنی چادریں پھاڑ دیں اور اپنے آپ کو اس سے ڈھانپ لیا۔ (صحیح بخاري، رقم الحدیث: ۴۷۵۶)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا تھا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اپنی چادر اپنے سر پر رکھے اور چادر کو دائیں سے بائیں کندھے پر ڈالے گی۔ علی جیوبهن سے مراد چہرہ ہے۔

(فتح الباري: ۸/ ۶۲۱)

دلیل نمبر ۱۳:

سیّدہ عائشہ واقعہ افک بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت صفوان نے مجھے دیکھا تو انا للہ پڑھا۔ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنا چہرہ چادر سے ڈھانپ لیا۔ (صحیح بخاري، رقم الحدیث: ۴۱۴۱)

دلیل نمبر ۱۴:

سیّدہ اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ہم حالت احرام میں اجنبی مردوں سے اپنے چہرے ڈھانپ لیتی تھیں۔ (مستدرك حاكم: ۱/ ۴۵۴)

اس روایت میں صحابیہ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور یہ روایت ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پردہ صرف امہات المومنین کے ساتھ خاص ہے۔ امت کی عام عورتوں کو اللہ نے حکم نہیں دیا جب کہ اس روایت میں یہ صاف ظاہر ہے کہ سیّدہ اسماء امہات المومنین میں سے نہیں ہیں۔ عام عورتیں بھی جمع کے صیغے میں شامل ہیں۔

دلیل نمبر ۱۵:

جب ام خلاد رضی اللہ عنہا اپنے شہید بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئیں تو انھوں نے نقاب کیا ہوا تھا۔ بعض صحابہ نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا پوچھنے آئی ہو اور پردہ کیے ہوئے ہو۔ تو امّ خلاد نے کہا: میری حیا پر کوئی مصیبت نہیں آئی۔ مجھ پر آفت آئی ہے میرے بیٹے کی وجہ سے۔

(ابوداود، رقم الحدیث: ۳۴۳)

دلیل نمبر ۱۶:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سیّدہ زینب کی شادی کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پس میں واپس لوٹا تو لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میرے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا اور حجاب کی آیت نازل ہوگئی۔ (صحیح مسلم)

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے اور پہلے بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ مگر آیت حجاب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے داخل ہونے سے منع فرمایا۔ اگر چہرے کا پردہ مستحب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کو بالکل نہ روکتے کیونکہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ تو آپ ﷺ کے معتمد اور خاص غلام تھے۔

چہرہ کے پردے کو مستحب قرار دینے والوں کے دلائل

پیچھے تمام دلائل چہرے کے پردے کے وجوب پر ہیں۔ اب ان دلائل پر نظر ڈالیں گے جو کہ استحباب کے قائلین پیش کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھاتے اور عورتیں واپس پلٹ جاتیں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ عورتیں جاتیں اور انھوں نے چادر لپیٹی ہوتی اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں۔ (ترمذي، رقم الحديث: ۱۴۱)

اس گروہ کے قائلین کا کہنا ہے کہ چونکہ وہ وقت ہی فجر کا تھا اور اندھیرا ہوتا تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ہم پہچانی نہ جاتیں اندھیرے کی وجہ سے۔ لہٰذا اگر اندھیرا نہ ہوتا تو عورتیں پہچان لی جاتیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات ہی فجر کے وقت کے ضمن میں کی ہے کہ فجر کی نماز سے عورتیں پھرتیں تو اندھیرا ہوتا کہ ہم پہچانی نہ جاتیں باقی نمازیں بھی تو مسجد میں آ کر عورتیں پڑھتی تھیں۔ ویسے بھی حدیث میں متلفعات کے الفاظ ہیں جن کا معنی ہے چادر میں مکمل لپٹی ہوئیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابیات پردے کا مکمل اہتمام کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتی تھیں۔

دلیل نمبر ۲:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور اسماء رضی اللہ عنہا نے باریک کپڑے پہنے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اسماء جب عورت کو حیض آ جائے، یعنی بالغہ ہو جائے تو صرف چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے۔ (ابوداود)

علامہ البانی اور علامہ ابن باز نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی خالد بن دریک سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے جب کہ اس کا سماع سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا ہی نہیں۔ علامہ البانی اور حافظ ابن حجر نے ایک اور راوی سعید بن بشیر کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

دلیل نمبر ۳:

سیّدنا سہل بن سعد سے مروی ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میں اپنے آپ کو آپ ﷺ پر ہبہ کرنا چاہتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا پھر نظروں کو جھکا لیا۔ جب عورت نے آپ ﷺ کا ارادہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نہیں چاہتے تو وہ بیٹھ گئی۔

(صحيح بخاري: ٩/ ١٠٧)

اس حدیث میں عورت نے چونکہ رسول اللہ ﷺ کو شادی کا پیغام دیا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شادی کرے تو عورت کو دیکھ لے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس روایت میں کہیں بھی چہرے کے ننگے ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

دلیل نمبر۴:

سیّدنا عبداللہ بن عباس کا قول ﴿الا ما ظهر﴾ سے مراد چہرہ ہے۔ اس بارے میں سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز فرماتے ہیں کہ اس کو آیت حجاب سے پہلے عورتوں کی حالت پر محمول کیا جائے گا اور جو دوسرا قول ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ تمام بدن ہی ستر ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب میں ہے۔

(حكم السفور والحجاب لسماحة الشيخ ابن باز رحمه الله)

اظہارِ تعزیت

گزشتہ دنوں مولانا عبدالشکور الاثری، مولانا محمد ابراہیم خادم قصوری، مولانا محمد اکبر سلیم ودیگر بعض احباب جماعت اہل حدیث کی وفیات ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کریم سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، آمین۔ درج ذیل احباب نے تعزیت کی ہے:

۱۔ ابوالاحتشام حمزہ طور، گوجرانوالہ۔ ۲۔ پروفیسر محمد شریف شاکر، فیصل آباد۔ ۳۔ مولانا محمد اشرف جاوید، فیصل آباد۔ ۴۔ قاری عبدالرزاق نثار، چنیوٹ۔ ۵۔ مولانا یحیٰ عزیز ڈاھروی، کوٹ رادھاکشن۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

بقیہ: حجاب ڈے یا حجاب

☆ جلباب اوڑھ کر عورت چہرہ نہ بھی ڈھانپے تو اس کا ایک چوتھائی چہرہ خود بہ خود چھپ جاتا ہے اور عورت کا چہرہ فتنہ نہیں بنتا لیکن اسکارف تو چاند کے ہالے کی طرح پورے چہرے کی حد بندی کر کے بتا دیتا ہے کہ اس عورت کا ناک نقشہ، رنگ روپ اور ذوقِ آرائش وزیبائش کیسا ہے۔

☆ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جلباب میں عورت سادہ نظر آتی ہے جب کہ گاؤن اسکارف کے ساتھ وہ فیشن ایبل لگتی ہے۔

فیشن ایبل برقعے متعارف کرانے میں حجاب گارمنٹس والوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے جو حجاب کے نام پر بے حجابی عام کر رہے ہیں اور اشتہار دیتے ہیں: ''حجاب اپنایئے وقار کے ساتھ۔''

ساتھ ہی خواتین کو رنگا رنگ برقعے پہنے دکھایا جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ صرف مشروع برقعے اور جلباب ہی تیار کرتے اور خواتین کو ان کی اہمیت وافادیت بتاتے تو یقیناً حجاب کے نام پر جو بے حجابی عام کی جارہی ہے وہ عام نہ ہوپاتی لیکن حجاب گارمنٹس والوں نے اس فیشن ماری بے حجابی کو عام کرنے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔

سیرت وسوانح — قسط نمبر ①

معلمِ دوراں، رئیس العلماء الاحرار

مولانا محمد رئیس سلفی ندوی رحمہ اللہ

حیات وخدمات

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی (استاذ حدیث جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض)

ہندوستان کی مشہور درسگاہ جامعہ سلفیہ، بنارس کے شیخ الحدیث، مفتی اور برصغیر کے مشہور محقق عالم دین مولانا محمد رئیس ندوی سلفی کا طویل علالت کے بعد بروز سنیچر (۲۰۰۹/۵/۹ء مطابق ۱۴۔۵۔۱۴۳۰ھ) شہر بنارس کے ایک اسپتال میں رات کے گیارہ بجے انتقال ہوگیا، إنا لله وإنا إليه راجعون.

آپ کی وفات حسرت آیات سے علمی حلقے میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے، ہم اللہ رب العزت سے دعا گو ہیں کہ وہ اس کو پورا کرے، وما ذلك على الله بعزيز.

مولانا کی وفات سے ہروہ شخص غم واندوہ کا شکار ہے، جوآپ کی گوناگوں علمی ودینی خدمات اورتصنیف وتالیف، مناظرہ اور خطابت کے ذریعے نصف صدی سے زیادہ کی زندگی سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے، مولانا عوامی سطح کے عالم نہ تھے، نہ ہی اُن کے اردگرد لوگوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی، آپ کی زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ دینی اورعربی مدارس میں تعلیم سے فراغت کے بعدآپ نے پوری زندگی پڑھنے پڑھانے، لکھنے لکھانے اوردعوت وتبلیغ میں گزاردی۔

مولانا اپنی علمی وتحقیقی تصنیفات کے ذریعے مرجع کی حیثیت اختیار کرچکے تھے بلکہ اسلامی علوم میں مہارت کی وجہ سے آپ چلتا پھرتا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تھے، چنانچہ تقریر وتحریر اور درس وتدریس میں یہ انسائیکلوپیڈیائی انداز غالب رہتا تھا۔

راقم الحروف ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے شوال (۱۹۶۵ء) کے پہلے ہفتے میں اپنے گاؤں پریوا (ضلع پرتاب گڑھ) سے مدرسہ سعیدیہ، محلّہ دارانگر (بنارس) آیا، توجامعہ رحمانیہ، مدن پورہ (بنارس) کے اساتذہ اورطلبہ سے تعارف حاصل ہوا، مدن پورہ کا تاجا بیوپاری خاندان اوراُن کی مسجد طیب شاہ کے مصلیان سے بھی تعارف کا موقع ملا (۱۹۶۶ء) میں جامعہ رحمانیہ میں عربی کی تیسری جماعت میں داخلہ ہوا، تو اُس وقت بعض علماء کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں، اورمختلف اسلامی جرائد ومجلّات کی ورق گردانی اور دینی اجتماعات میں شرکت کی وجہ سے مزید اہل علم کے ناموں سے واقفیت ہوئی۔

۱۹۶۶ء اور ۱۹۶۷ء کے دوتعلیمی سال اس طرح گزرے کہ محلّہ ریوڑی تالاب میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم، بنارس) کی عمارت بن رہی تھی اور پہلے ہی سال یعنی (۱۹۶۶ء) میں ایک بڑے افتتاحی اجلاس کے بعد جامعہ سلفیہ میں تعلیم کا آغاز ہوا، اورجامعہ رحمانیہ کے اساتذہ مولانا عبدالوحید بن ابوالقاسم رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی اور مولانا محمد عابد حسن رحمانی رحمہم اللہ جامعہ سلفیہ منتقل ہوگئے۔ (۱۹۶۷ء) میں جامعہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (بہار) سے شیخ الحدیث مولانا شمس الحق بہاری بھی جامعہ سلفیہ میں تدریسی خدمات انجام دینے آگئے (۱۹۶۸ء) میں جب ہم لوگ عالمیت سالِ اول میں داخل ہوئے تو مذکورہ بالا اساتذہ کرام کے عملے میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کا اضافہ ہوا، غالباًاسی سال یا اُس کے آگے پیچھے شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ مئوی رحمہ اللہ اور(۱۹۶۹ء) مولانا محمد رئیس ندوی بھی تشریف لائے، ان افاضل اساتذہ کی موجودگی میں رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ مولانا محمد رئیس الاحرار ندوی صرف ایک مدرس ہی نہیں، بلکہ

تصنیف وتالیف اور خطابت وصحافت کی دنیا میں بھی آپ کی شہرت ہے، پھر جب انجمن ندوۃ الطلبہ اور جامعہ سلفیہ کی لائبریری میں جریدہ ترجمان اہل حدیث اور الہدیٰ (دربھنگہ) کی پرانی فائلیں الٹیں تو پتا چلا کہ علمی وتحقیقی سلسلہ وار مقالات کے لکھنے والے مولانا رئیس الاحرار ندوی یہ وہی مولانا صاحب ہیں جو اس وقت جامعہ سلفیہ میں فروکش ہیں، یہ ہے ابتدائی نقش جو مولانا کے بارے میں ذہن میں قائم ہوا (۱۹۶۸ء) میں جامعہ سلفیہ سے عربی مجلّہ صوت الجامعہ کی اشاعت شروع ہوئی ، جس کے ایڈیٹر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری تھے ،اور اردو مجلّہ بھی استاذ محترم مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املوی رحمہ اللہ کی ادارت میں صوت الجامعہ کے نام سے شروع ہوا، جو ''محدث'' کے نام سے اب تک شائع ہورہا ہے،صوت الجامعہ (اردو) کے ابتدائی شماروں میں مولانا محمد رئیس رحمہ اللہ کے مضامین ہجری مہینوں کے تعارف کے عنوان سے چھپنے شروع ہوئے ، پھر مسند تدریس وافتاء پر اور طلبہ کی انجمنوں کی صدارت میں ندوی صاحب سے استفادے کا موقع ملا، ہم طلبہ کا اس پر اتفاق تھا کہ واقعی مولانا علوم وفنون کے ماہر ہیں، بلا کا استحضار ہے، اسی بناپر مختلف مناسبتوں سے بہ کثرت مولانا سے استفادے کے لیے لوگ رجوع کرتے اور آپ کے افادات سے اپنا اطمینان حاصل کرتے۔

آج کی مجلس میں مولانا کی زندگی سے متعلق حافظہ میں موجود معلومات اور مشاہدات کو قلمبند کیا جارہاہے، یہ تحریر ایک شاگرد کی طرف سے استاذ کی موت پر مولانا کے چاہنے والوں کے لیے ان شاء اللہ مہمیز کا کام دے گی ، اور اس طرح سے مولانا کی زندگی کے مفید گوشوں سے پردہ اٹھے گا ، اور آپ کی زندگی کے روشن پہلوؤں سے علماء وطلبہ کے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا، ان شاءاللہ۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم وتربیت :

مولانا محمد رئیس ندوی بن سخاوت علی صوبہ یوپی کے ضلع سدھارتھ نگر کے ایک گاؤں بھٹیا، مرونیا بازار ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) میں ۷/ جولائی ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے ، ابتدائی تعلیم سے لے کر جونیئر ہائی اسکول تک گاؤں ہی میں رہے اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ایک شاخ مدرسہ بدریہ پکا بازار ضلع بستی میں رہ کر ہائی اسکول کا پرائیویٹ امتحان دیا، مدرسہ میں دینی عربی و فارسی تعلیم مدرسہ کے نصاب کے مطابق ہوتی رہی، ۱۹۵۷ء میں لکھنو جاکر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۰ء میں عالمیت کی سند حاصل کی۔

بچپن میں سرکاری اسکول میں تعلیم کی وجہ سے ہندی اور انگریزی زبان سے تعلق قائم ہوا، اردو تو مادری زبان تھی ہی ، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء ،لکھنو میں عربی اور اسلامیات کی تا فراغت تعلیم حاصل کی، اسی لیے ندوی کا لاحقہ نام کے ساتھ مدارس کے عرف عام کی وجہ سے ہوا۔

اساتذہ کرام :

ابتدائی تعلیم سے فراغت تک درجنوں اساتذہ سے یقیناً پڑھا اور استفادہ کیا ہوگا،لیکن چند مشاہیر یہ ہیں:

۱: منشی معین الحق
۲: منشی عبدالمجید
۳: منشی رضاء

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ مندرجہ ذیل ہیں:

۴: مولانا سید ابوالحسن علی الندوی: ان سے آپ نے حدیث کی سند اجازہ حاصل کی جو مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری کے ذریعہ میاں سید نذیر حسین تک پہنچتی ہے۔
۵: مولانا عباس ندوی
۶: مولانا عبدالغفار ندوی
۷: مولانا محمود الحسن عثمانی
۸: مولانا رابع حسن ندوی
۹: مولانا اسباط صاحب
۱۰: مولانا مفتی ظہور صاحب

مولانا علی میاں کی محبت اور ہمت افزائی سے مولانا محمد رئیس صاحب نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھا، اور شوقِ مطالعہ کی بناپر وہابیت اور ترک تقلید کے جرم کے علی الرغم بعض

لوگوں کے منظور نظر بھی رہے۔

ندوی صاحب کے مشرف بہ اہل حدیث ہونے کا قصہ:

مذہب حق قبول کرنے والوں کی اکثریت کے بارے میں عام طور پر کم ہی لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہدایت کا راستہ کس طرح طے کیا اور مذہب ومسلک کی تبدیلی کے کیا عوامل واسباب تھے، جن کی وجہ سے اُن کے یہاں تبدیلی آئی، ماضی میں بہت سارے علماء کے تذکرے میں تبدیلی مسلک کے اسباب کا ذکر ملتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ اپنے عہد کے فاضل اجل، ادیب شہیر، ممتاز محقق، صاحب نظر وبصیرت عالم اور اپنے وقت کے امام تھے، انھوں نے اپنی تعلیمی اور مذہبی زندگی پر اپنی خود نوشت سوانح حیات (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی) میں روشنی ڈالی ہے، مولانا نے غالی بدعتی اور سخت مقلد حنفی عالم (جن کی اہل حدیث دشمنی بڑی مشہور و معروف تھی) کے گھر میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی، والد کے تلامذہ اور متوسلین (ظاہر بات ہے کہ وہ آپ کے والد کے عقائد ومزاج سے ہٹ کر نہ ہوں گے) سے کسب فیض کیا اور اللہ کے فضل وکرم سے ذاتی مطالعے نے اُن کو صحیح علم وعقیدہ تک پہنچایا۔ ایسے ہی اور بہت سارے واقعات ہیں۔

ہندوستان میں مسلک اہل حدیث کی ترقی کے دو خاص سبب ہیں:

۱: فقہ حنفی کے علماء اور متوسلین جن کو اصطلاح میں دیوبندی یا بریلوی کہا جاتا ہے، کا فقہی جمود اور تصلب۔

۲: علمائے اسلام کی اس جمود تصلب پر تنقیدات وتبصرے۔

ندوی صاحب گاؤں سے آکر ندوہ میں پڑھ رہے تھے، رفتہ رفتہ مطالعے کا شوق ہوا، ندوہ کی لائبریری سے ربط قائم ہوا اور اہل حدیث محقق علماء کی شروح حدیث اور دوسری مؤلفات جیسے تحفۃ الأحوذی فی شرح سنن الترمذی، تالیف محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری، عون المعبود فی شرح سنن ابی داود، تالیف محدث شمس الحق عظیم آبادی اور مؤلفات ائمہ محققین جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، حافظ ابن کثیر، حافظ ذہبی، ابن حزم اور نواب صدیق حسن قنوجی ثم بھوپالی وغیرہ وغیرہ کا مطالعہ کرتے گئے اور حق واضح ہوتا گیا، خصوصاً بعض اساتذہ کی رہنمائی سے نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی اور مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتابوں تقابلی مطالعہ کیا، جس سے یقین واذعان کے ساتھ مسلک سلف کے متبع ہوگئے، طالب علمی ہی کے زمانے میں تقلید کو تین طلاق غیر رجعی دے دی، لیکن یہ روش ندوہ کے بورڈنگ اور کلاس کے ساتھیوں کو پسند نہ آئی تو انھوں نے استہزاء وتمسخر کے ساتھ تشدد کا راستہ اختیار کیا، حسن اتفاق یہ کہ مولانا اپنی طالب علمانہ سعادت مندی اور شوق مطالعہ کے باعث مولانا علی میاں ندوی کے یہاں متعارف تھے، جس وقت مولانا کے تقلیدی مذہب کے ترک کردینے اور شاہراہ دلیل کتاب وسنت پر چلنے کی خبر پر بعض لوگوں کا ناگوار موقف سامنے آیا، مولانا علی میاں لکھنو سے باہر کسی سفر پر تھے، بہ ظاہر سفر لمبا تھا لیکن ہوا یہ کہ مولانا جلد ہی ندوہ واپس آگئے اور جب آپ کو اس واقعے کا علم ہوا تو آپ نے ندوی صاحب کی تائید کی اور طلبہ کی سرزنش کی، اس طرح سے ندوی صاحب کو کچھ راحت ملی اور ذہنی کوفت میں کچھ کمی ہوئی، ڈاکٹر مسعود خاں ندوی بھوپالی ندوی صاحب کے ساتھی اور ایک ساتھ بورڈنگ میں رہنے والے طلبہ میں تھے ۱۴۰۸ھ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی حیات وخدمات پر عالمی سیمینار کے موقع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسران کے ساتھ جامعہ سلفیہ (بنارس) آئے، خود ندوہ سے علی میاں اور بعض اساتذہ نے شرکت فرمائی، اس موقع پر مسعود صاحب اور ندوی صاحب کی پرانی دوستی کے مظاہر دیکھنے میں آئے، اور ہنسی مذاق میں ڈاکٹر مسعود نے بتایا کہ ہم لوگ ندوی صاحب کا ندوے میں ترک مذہب پر قافیہ تنگ کرچکے ہیں، یونیورسٹیوں میں پڑھ پڑھا کر ڈاکٹر مسعود ندوی ظاہر بات ہے کہ محض ندوی فارغ التحصیل نہ تھے بلکہ اب ان کے سوچنے سمجھنے کے انداز میں تبدیلی آچکی تھی، یہ یاد رہے کہ ڈاکٹر موصوف نے حافظ ابن کثیر کی حیات وخدمات پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی، ان کا مقالہ علی گڑھ سے کافی دن پہلے شائع ہوچکا ہے، اب موصوف ریٹائرمنٹ لے کر علی گڑھ سے اپنے وطن بھوپال منتقل ہوچکے ہیں۔

بہرحال اوپر ذکر کیے گئے قبول سلفیت اور ترک تقلید کے دونوں سبب سے ندوی صاحب مشرف بہ اہل حدیث ہوئے ، تعصب وتقلید اور عجمی تصوف کے ماحول میں محقق علماء کی کتابوں کے مطالعہ نے ندوی صاحب کو احرار علماء کا رئیس بنادیا، ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء .

ندوی صاحب کی زندگی میں مذہبی جمود کے ردعمل اور تحقیقی کتابوں کے مطالعے کے نتیجے میں جو تبدیلی آئی ، اس نے آپ کو پوری زندگی اپنی قوم کو جگانے میں گزارنے پر آمادہ کیا، ندوی صاحب اس مسئلے میں تنہا نہیں ہیں، قدیم وجدید علماء میں اس کی مثالیں ناپید نہیں ہیں کہ صراط مستقیم کی ہدایت کے بعد ہدایت یافتہ عالم نے اپنی جدوجہد کا رخ اپنی قوم کی اصلاح کی طرف موڑا، اور اس طرح اللہ رب العزت نے لوگوں کی ہدایت کا سامان فراہم کیا، آگے ہم بعض علماء اور دعاۃ کا تذکرہ کریں گے، جنھوں نے اپنے خاندانی اور موروثی عقائد وافکار کو خیر باد کہا، اور صحیح عقیدہ اور صحیح مسلک کی اشاعت کی نمایاں جدوجہد کی، وجہ یہ ٹھہری کہ یہ علماء جب اپنے "ظلمات بعضھا فوق بعض" کے ماحول سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اس بات پر مطمئن کردیا کہ صحیح مسلک کی عظیم نعمت کو صلائے عام بنانے کی راہ میں اپنا تن من دھن لگادیں ،یہیں سے دینی مدارس کی اہمیت اور اچھی وتحقیقی کتابوں کی افادیت کا پتا چلتا ہے، آج بعض غیر اہل حدیث طبقے کی جانب سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ اہل حدیث حلقے اختلافی مسائل میں متشددانہ اور جارحانہ اسلوب کو بڑھاوا دے رہے ہیں، اور اس کا پروپیگنڈہ محض اس وجہ سے ہے کہ اصل حقائق کو چھپایا جائے ،اسی کو کہتے ہیں :الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ۔

فروعی اختلافی مسائل میں دلائل کی روشنی میں حق تک پہنچنے کی کوشش ائمہ دین کا طرۂ امتیاز رہا ہے، اگر ہم ان امامانِ حق کو بڑا مانتے ہیں، تو ہمیں بھی انھی کی روش اختیار کرنی چاہیے اور حق تک پہنچنے کی ہر چھوٹی اور بڑی کوشش کی قدردانی کرنی چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانے ہی میں امت کی دنیا وآخرت میں بھلائی ہے ،ہم اختلافی مسائل میں تیز وتند اسلوب خطاب کے مخالف ہیں، لیکن یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسلوب کی سختی کا رونا یا اس کا دکھڑا سنانا تاکہ لوگ حقائق تک نہ پہنچیں یا مصنوعی پگڑیاں نہ اچھلیں ، اس میں کتنا وزن ہے، یہاں پر سیرت نبویہ کے ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ سریہ عبداللہ بن جحش میں دشمن سے ملاقات ہوگئی ، اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی قریشی تھا، صحابہ نے مشورہ کیا کہ کیا اقدام کیا جائے، رجب کی آخری تاریخ تھی، اگر قافلہ کو چھوڑ دیتے تو یہ حرم میں داخل ہوکر محفوظ ہوجاتے ، اور اگر ان کے خلاف جنگ چھیڑی جائے تو حرام مہینے میں جنگ کا ارتکاب ہوگا، پھر ہوا یہ کہ مڈبھیڑ ہوگئی، عمرو بن الحضرمی مارا گیا، اور دو آدمی قید ہوئے ، رسول اکرم ﷺ نے صحابہ سے کہا: میں نے تم کو محترم مہینوں میں جنگ کا حکم نہ دیا تھا ادھر قریش نے پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ محمد اور اُن کے ساتھیوں نے حرام مہینے میں خون ریزی کی ، مال لوٹا، قیدی بنایا، اس واقعہ میں صحابہ کی سوچ یہ تھی کہ نشانے پر آیا ہوا دشمن بھاگنے نہ پائے، لیکن مشکل یہ تھی کہ رجب کی آخری تاریخ تھی اور اشہر حرم مسلمانوں اور کافروں سب کے یہاں قابل احترام مہینے ہیں، اس میں جنگ وجدال سب کے یہاں متفقہ طور پر ناجائز اور حرام ہے۔ اگر دشمن کو چھوڑ دیا جائے تو وہ حدود حرم میں داخل ہوجائیں گے، اور وہاں بھی حرم کا تقدس اُن سے انتقام لینے میں مانع ہوگا، بہرحال مشورے میں یہ طے پایا کہ ان ظالموں کو سبق سکھایا جائے چنانچہ اُن کے دو آدمی قتل کردیے اور ایک دو کو گرفتار کیا اور مالِ غنیمت لے کر رسول اکرم ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے ، نبی رحمت سراپا شفقت ورحمت اور حکمت وحلم وبردباری کا نمونہ، یہ خبر سن کر آپ کبیدہ خاطر ہوئے کہ قریش کے ہاتھ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اور نبی رحمۃ للعالمین کے خلاف پروپیگنڈے کا موضوع آگیا، جس سے وہ لوگوں کو یہ کہہ کر اسلامی دعوت سے روکیں گے کہ امن وآشتی کے دعوے دار محمد ﷺ اور ان کے صحابہ اور اُن کے دین کا حقیقی چہرہ یہ ہے کہ یہ لوگ حرمت والے مہینوں کا احترام نہیں کرتے ، اور حرم کے

تقدس کو پامال کرتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے قریش کی سرزنش کی اور یہ بتایا کہ گرچہ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کو اس مہینے میں ایسا کام نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن تم بھول گئے کہ تمھاری اہل اسلام کے خلاف ظلم وزیادتی اور دہشت گردی لوگوں کو دین سے روکنا اور دعوت توحید کے آگے بند باندھنا اس جرم سے بہت بڑا جرم ہے، جو مسلمانوں سے اجتہاداً سرزد ہوا ہے، آیت ملاحظہ ہو:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۱۷]

”لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا ہے، یہ لوگ آپ سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمھیں تمھارے دین سے مرتد کردیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہوجائیں گے، یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔“

اس کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، یہ چار مہینے زمانہ جاہلیت میں بھی حرمت والے سمجھے جاتے تھے، جن میں قتال وجدال ناپسندیدہ تھا، اسلام نے بھی ان کی حرمت کو برقرار رکھا، نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان فوجی دستے کے ہاتھوں رجب کے مہینے میں ایک کافر قتل ہوگیا اور بعض کافر قیدی بنالیے گئے، مسلمانوں کے علم میں یہ نہیں تھا کہ رجب شروع ہوگیا ہے، کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ دیکھو یہ حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مہینے میں قتال بڑا گناہ ہے، لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو اپنا عمل نظر نہیں آتا؟ یہ خود اس سے بھی بڑے جرائم کے مرتکب ہیں یہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنے پر انھوں نے مجبور کردیا، علاوہ ازیں کفر وشرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدھ قتل حرمت والے مہینے میں ہوگیا تو کیا ہوا؟ اس پر واویلا کرنے کے بجائے ان کو اپنا نامہ سیاہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔

ائمہ اسلام میں سے ہر ایک کی کوشش یہی رہی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے دلائل پر فہم سلف کی روشنی میں عمل کرے، اور اسی کی تبلیغ کرے، سب کا مطمح نظر یہی تھا اور فقہاء ومحدثین نے اسلام کی شرح وترجمانی میں جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ ہماری قیمتی میراث ہے، اور فی الجملہ مسلک اہل حدیث کو ہم دین کی سب سے سچی تعبیر مانتے ہیں، جس کی بنیاد کتاب وسنت کی وہ شرح وتفسیر ہے جو سلف صالحین سے صحیح سندوں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے، امام بخاری اور دوسرے ائمہ دین نے اسی وراثت کو محفوظ اور منتقل کرنے کے لیے اپنی زندگیاں لگا دیں، اور عملاً ایسا نمونہ پیش کیا جس میں علمی توسع کے ساتھ ساتھ فقہی آراء میں کتاب وسنت سے ثابت وہی مسئلہ راجح جو صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کی فقہ سے ہم آہنگ ہو۔

ہندوستان میں فقہی تصلب اور عجمی تصوف کے ساتھ ساتھ حنفی مذہب کی اُس تعبیر کو دین کا درجہ دے دیا گیا جس کی ایک شاخ دیوبندی مذہب کی ہے، اور دوسری بریلوی، اور اسی نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے بڑی بڑی دینی درسگاہیں وجود میں آئیں، علماء اور

مشائخ نے اسی کام میں اپنی زندگیاں گزاردیں، فروعی مسائل ہی کو اصل دین بنادیا گیا اور تقلید شخصی کو واجب اور فرض بنا کرامت کے عظیم علمی اور فقہی سرمایے سے عملاً استفادہ کے دروازے بند کردیے گئے، دینی درسگاہوں نے اسی ذہن کو آگے بڑھایا، تبلیغی اداروں نے خانہ ساز دین کی تبلیغ اسی اساس پر کی، اور ہر مخالف کو غیر مقلد اور لا مذہب اور وہابی کہہ کر معاشرے میں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

عقائد، تصوف، طریقت اور فقہ حنفی پر عمل میں بریلوی اور دیوبندی طبقے میں عملاً کوئی بڑا فرق نہیں اس لیے تقلید اور غیر تقلید اور تصوف اور ماتریدی عقائد کے مسائل میں مسلمانوں کی اکثریت کا ایک ہی مزاج رہا، ایسے ماحول میں اجتہاد و تحقیق اور صحیح دلائل کے مطابق فتویٰ اور مالوف مذہب سے ہٹ کر کسی مسئلے پر عمل کرنا معاشرے میں اپنے کو نکّو بنانے کی دعوت دینا ہے، آدمی سرے سے اسلامی تعلیمات سے بیگانہ ہو کوئی بات نہیں لیکن اگر کسی نے نماز پڑھنی شروع کردی اور آمین رفع الیدین کرنا شروع کیا تو فوراً اس کے خلاف محاذ آرائی شروع ہوجائے گی، ایسے ہی بازار میں بے پردہ عورتیں گھومیں کوئی غم نہیں، لیکن اگر صحیح حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے، عورتوں کو عیدگاہ میں لے جانے کی بات کہی جائے تو فقہی مذہب کی تائید میں سارا زور صرف کردیا جائے گا، اور یہ ثابت کیا جائے گا کہ فتنے کے زمانے میں عورتوں کو باہر نہیں جانا چاہیے، مسلم معاشرے میں تین طلاق سے متعلق مشہور فتوے کی روشنی میں اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تو وہ فوراً اس مرد کے لیے حرام ہوجائے گی، اس لیے کہ تینوں طلاقیں فوراً پڑ گئیں، اور میاں بیوی میں علاحدگی ہوگئی، ہم دیکھتے ہیں کہ اس فتوے کی بنا پر محض ایک بول سے بسا بسایا خاندان انتشار کا شکار ہوجاتا ہے، لیکن چونکہ فقہ کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ پڑ جائیں گی تو اب صحیح احادیث کی روشنی میں جن ائمہ دین نے ایک وقت کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، بلکہ اس کے خلاف پوری محاذ آرائی کی جاتی ہے، اور نتیجتاً معاشرے کے انتشار اور بال بچوں کی بربادی کو برداشت کرلیا جاتا ہے، کیوں کہ مروجہ فتوے کی روشنی میں میاں بیوی میں تفریق کے علاوہ اب کوئی دوسری راہ نہیں رہ گئی، ہاں صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے اور وہ ہے موجب لعنت حلالہ کا اور وہ بھی اسی وجہ سے کہ فقہی مذہب میں ایسا کرنے سے دوبارہ عورت پہلے شوہر کے پاس واپس آسکتی ہے، یہ اور اس طرح کے مسائل دنیا چاہے جتنا بدل جائے تقاضے چاہے جو کہیں مذہبی تعصب کی بنا پر یہی دین ہے، یہی شریعت ہے، اس طرح کے ماحول میں جب علماء لکھنے پڑھنے کا کام کریں گے، تو یقیناً انداز مناظرے اور بحث و تکرار کا ہوگا، اور آراء پر اصرار اور تعصب بھی ہوگا، اب ان مسائل میں جو عالم دین تحقیق اور بحث کر کے فروعی مذہب کے خلاف فتویٰ دے وہ قابل گردن زدنی، اور ہر طرح کی سزا کا مستحق ہے، زمانہ کی روش کچھ اسی طرح کی ہے، اسے بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کو اس مسئلے پر درمندی سے غور کرنا چاہئے، تاکہ ہمارا معاشرہ مزید انتشار کا شکار نہ ہو۔

بات لمبی ہوگئی لیکن ہے یہی واقعہ، امام بخاری اور دوسرے اکابر محدثین کے بارے میں فقہی تعصب رکھنے والے مؤلفین ومناظرین کا لب ولہجہ جادۂ اعتدال سے اسی لیے ہٹا ہوا نظر آتا ہے کہ ان ائمہ نے کسی کی رعایت نہیں کی، اور ضرورت پڑنے پر تنقید بھی فرمادی، کبھی نام لے کر اور کبھی یہ کہہ کر کہ بعضوں نے کہا، ادھر اہل حدیث اور دیوبندی مؤلفین اور مناظرین میں فقہی مسائل پر رسائل بازی اور مناظرہ بازی کا بازار سرد نہ ہو پایا تھا کہ مشہور ترکی عالم محمد زاہد کوثری کے محدثین کے بارے میں ظالمانہ اور جارحانہ تحریروں سے متأثر ہوکر بعض دیوبندی علماء نے ائمہ حدیث کے خلاف بڑا نازیبا موقف اختیار کیا، بات صرف اتنی تھی کہ جمہور محدثین کے یہاں امام ابوحنیفہ علم حدیث کی روایت میں وہ درجہ نہ حاصل کرسکے جس کی اُن کے مقلدین تمنا کرتے ہیں، اس لیے کہ محدثین کے نقد میں امام ابوحنیفہ مخصوص فقہ ورائے میں امامت کی شہرت کے علی الرغم علم حدیث میں

حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف قرار دیے گئے، جب کہ اہل علم کے یہاں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ ایک راوی حدیث، حدیث کی روایت میں بعض مخصوص اسباب کی بنا پر ضعیف ہے، لیکن وہ اپنے فن کا امام اور اس میں قابل استناد ہے، جیسے امام محمد بن اسحاق صاحبِ السیرۃ النبویۃ کی حدیث حسن کے درجے کو پہنچتی ہے، لیکن آپ امام المغازی ہیں، اسی طرح عاصم بن ابی النجود - بہدلہ- روایت حدیث کے باب میں صدوق، اور صاحب اوہام ہیں لیکن قراءت قرآن میں حجت ہیں، اسی لیے امام بخاری ان کا تذکرہ سند میں کسی دوسرے راوی کے ساتھ کرتے ہیں، تا کہ ضعف کی بھرپائی ہو جائے۔ ملاحظہ ہو: تقریب التھذیب

اس طرح کی مثالوں سے تراجم کی کتابیں بھری پڑی ہیں، لیکن محدثین کے بارے میں مذہبی تعصب کے زیر اثر ایک طبقے کے یہاں یہ تأثر ہے کہ انھوں نے امام صاحب کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیا پھر کیا تھا ہر چیز ان کے خلاف جائز ہوگئی، پہلے کچھ ادب ولحاظ تھا لیکن کوثریت زدہ دیوبندیت کے نمائندوں نے تقلیدی مذہب کو برحق ثابت کرنے کے لیے محدثین کی دشمنی میں معتزلہ اور جہمیہ اور روافض کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

یہ واضح رہے کہ عربی دنیا میں علامہ محمد زاہد کوثری اور اُن کے تلامذہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے کئی علماء نے قلم اٹھایا جن میں سب سے اہم شخصیت علامہ عبدالرحمٰن معلّمی یمانی کی ہے، جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد میں کتب حدیث ورجال کی تحقیق میں گزارا، بعد میں مکہ مکرمہ میں مکتبۃ الحرم المکی میں لکھنے پڑھنے کا کام کیا، موصوف نے اپنی عظیم کتاب "التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل" میں محدثین اور اُن کے منہج کا دفاع کیا، رواۃ حدیث کے بارے میں پھیلائی ہوئی کوثری تلبیسات کا علمی جائزہ لیا، اور علامہ محمد عبدالرزاق حمزہ نے طلیعۃ التنکیل نامی رسالہ لکھا، علامہ محمد ناصرالدین البانی نے اپنی کتابوں میں کوثریت کا ردو ابطال کیا، اور کوثری کے شاگرد واخوانی لیڈر اور مختلف کتابوں کے محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ پر شیخ بکر ابوزید اور علامہ بدیع الدین راشدی نے بھرپور تنقید کی جس سے بالعموم عرب دنیا اور عربی قاری پر محدثین کے خلاف ان جارحانہ تنقیدوں کی اصلیت واضح ہوگئی، لیکن اردو داں طبقے میں جب حدیث اور محدثین کے منہج کے خلاف مواد شائع ہونے لگا، تو اللہ تعالیٰ نے ندوی صاحب کو اس کام کے لیے چن لیا، اور ندوی صاحب نے اپنی عمر عزیز کے بہترین ایام حدیث اور محدثین کے دفاع اور ان کے خلاف پھیلائے ہوئے الزامات واعتراضات کے ردوابطال میں گزارے۔ (جاری ہے)

ضروری اعلان

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین وحضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام وصفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
- جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کردیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
- مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

تحفہ وقت

مؤلف: الشیخ شفیق الرحمٰن الدراوی

ضخامت: ۴۲۲صفحات

خصوصیات: عمدہ جلد، خوب صورت ٹائٹل، نفیس کاغذ وطباعت

ناشر: الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ، ضلع مظفر گڑھ

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ کتاب جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ ''وقت'' کے موضوع پر ترتیب دی گئی ہے۔ کتاب کی پیشانی پر حدیث نبوی تحریر ہے۔

''دو نعمتوں کے بارے میں لوگوں کی کثرت غفلت کا شکار ہے اور وہ ہیں صحت اور وقت۔''

اس رنگا رنگ کائنات میں بے شمار لوگ موجود ہیں۔ اس دنیا کے حسین منظر اور نظارے خالق کائنات کی قدرتِ کاملہ کی تفسیر سمجھاتے نظر آتے ہیں۔ اب ہمارے پاس ''وقت'' کی صورت میں ایک سرمایہ ہے جسے ہم لوگ ضائع کرکے اپنی زندگی کا مقصد پامال کیے بیٹھے ہیں۔ مندرجہ حدیث شریف کے مطابق اللہ نے اگر صحت وتندرستی سے نوازا ہے تو ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ ہر وقت، ہر لمحے ہمیں مفید سے مفید تر کام میں مشغول رہنا چاہیے۔ یہ وقت ہی ہے جسے ہم پڑھائی، لکھائی، تعلیم وتدریس، تجربات، سوچ اور سمجھ میں لگائیں تو اس کے مثبت اثرات سامنے آئیں گے۔ اگر اس ''وقت'' کو ہم کسی غیر مناسب کام میں صرف کریں گے تو جیسے کام کریں گے ویسے ہی نتائج نکلیں گے۔

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف موصوف نے بڑی جد وجہد اور لگن سے اپنے ''وقت'' کو استعمال کیا ہے۔ کتاب کی ابواب بندی اور فصلوں میں اس کی تقسیم بڑی عمدہ ہے۔

پہلے باب میں ''وقت کی قیمت'' بارے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ وقت کی قدر وقیمت اور بنیادی محرکات پر مواد ہے۔ دوسرے باب ''ضیاعِ وقت کے ذرائع'' کے عنوان لگا کر اس کی فصلیں اس طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ غفلت کیوں کر؟ بدنظمی وقت کے اسباب، بری صحبت، خاندانی اثرات، نگرانی اور احتساب جیسے امور زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کفار ومشرکین کی اتباع کے پروگرام جن میں ہمارے عام فہم لوگ اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرتے رہتے ہیں، پر تفصیلی مواد شامل ہے۔

تیسرے باب کا عنوان ہے۔ ''وقت کو کیسے کارآمد بنایا جائے؟'' اس میں بھی اس عنوان کی تفصیل دی گئی ہے۔ لمحات کی قدر وقیمت، وقت کی بچت، نظام الاوقات کی ترتیب اور منصوبہ بندی، وقت کی چھان بین، صحت، توجہ، احتساب، مشاورت اور بلند ہمتی جیسے امور پر خیالات مجموعے کی شکل میں دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کا انتساب مؤلف نے اپنے محترم اساتذہ مولانا محمد یونس اثری، مولانا سباء حسن، مولانا نصر اللہ اور مولانا عثمان خواجہ رحمۃ اللہ علیہم کی طرف کیا ہے۔

مولانا عبداللطیف کشمیری، پروفیسر ڈاکٹر وسیم (انڈیا) کی تقاریظ ہیں۔ کتاب کی طباعت اور شان دار کاغذ جاذب نظر تو ہیں ہی مگر مواد کے اعتبار سے بڑی عمدہ اور مفید کتاب ہے۔ اللہ کریم ناشر ومؤلف کی خدمت کو قبولیت کا درجہ دے، آمین۔

مقامِ رب العالمین اور فتنہ قادیانیت

مؤلف: عبیداللہ لطیف

ضخامت: ۵۲ صفحات

ناشر: خاتم النّبیین اکیڈمی، ستیانہ بنگلہ، فیصل آباد

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

مرزا غلام احمد قادیانی اجماعِ امت مسلمہ اور اپنے غلط عقائد کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ اس کے ماننے والے عقل اور سوچ سے ابھی تک عاری ہیں اور مرزا کے اقوال، اعمال اور اس کی پیشین گوئیوں اور یاوہ گوئیوں کے گرویدہ چلے آرہے ہیں۔ مرزائیت کے بانی نے جس طرح اپنی زندگی گزاری اور اپنی جماعت کو جس طرح سیاسی طور پر زندہ رکھا وہ سب شاطرانہ چال تھی۔ قادیانی کتب اور ان کی تشریحات سے واضح ہے کہ اصل شریعت جو خاتم النّبیین جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی، سے قادیانیت فارغ ہے۔

زیر تبصرہ پمفلٹ قادیانیت کے بانی آنجہانی مرزا قادیانی کی کتب کے چند حوالہ جات پر مشتمل ہے جس سے قادیانیت کی دیگ کے چند چاول چکھ کر اندازہ ہوجاتا ہے کہ مرزا عقل وخرد سے عاری تھا۔ کتابیں لکھتے لکھتے عبارتوں میں تحریری گراوٹیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ حوالے اصل کتب کی فوٹو لے کر شائع کیے گئے ہیں۔ طالبین حق مطالعہ کر کے خود فیصلہ کریں۔

مؤلف نے مقام ربّ العالمین کو قادیانی عقیدے اور قرآنی عقیدے کے ذریعے عامۃ الناس کو آگاہ کرنے کی سعی کردی ہے۔ اسی طرح کا ایک اور پمفلٹ مقام قرآن وحدیث اور فتنہ قادیانیت بھی مؤلف نے ترتیب دیا ہے۔ جو ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا قصہ

تالیف: پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی

ضخامت: ۱۰۱ صفحات قیمت: ۱۰۰ روپیہ

ناشر: دارالنور اسلام آباد۔ فون: 0333-5239853

ملنے کا پتا: مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

علمائے مفسرین کرام رحمہم اللہ کے مطابق قرآنِ کریم میں اس کے آٹھ پاروں کے حصے کے قریب انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص مبارکہ کا مواد موجود ہے۔ یہ قصص الانبیاء وصالحین کا بیان یقیناً قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے تفکر وتدبر کی خاطر بیان فرمایا گیا ہے۔ قرآنی قصوں سے اولادِ آدم کے لیے جو عمل کی توفیق پیدا ہوتی ہے وہ قرآنِ کریم کا اعجاز کہا جاسکتا ہے۔ پھر ان قصص سے انسانوں کے لیے شر اور خیر کے پہلو نکھر کر سامنے آجاتے ہیں اور سابقہ تاریخی پہلو بھی آج کے انسانوں کے سامنے ہیں، جس سے عمل آسان اور گناہوں سے بچنے کی ترغیب بھی ہوتی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ کی تالیف لطیف ہے۔ اس تالیف میں انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ قربانی بیان فرمایا ہے، یعنی جناب خلیل علیہ السلام کے پیارے بیٹے جناب اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا قصہ۔ اس قصے میں انھوں نے قرآنِ کریم سے آیات اور ان کا ترجمہ وتفسیر اور اس سے حاصل کیا گیا سبق اور درس بیان فرمایا ہے۔ اصل روایات کا بیان اور ضعیف روایات سے اجتناب برتا ہے۔ اسرائیلی روایات بھی نہیں لائی گئیں۔ اس طرح یہ کتاب اصل حوالوں اور مراجع ومصادر کے اعتبار سے بڑے قوی مواد سے لبریز ہے۔

ابوالانبیاء جناب ابراہیم خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کی ساری زندگی رب کریم کی طرف سے امتحانوں میں گزری۔ اور ہر امتحان بڑا سخت اور دیکھنے میں بڑا شدید ہوتا تھا لیکن رب کریم کی عطا کی گئی توفیق اور ہمت سے آپ علیہ السلام ہر امتحان میں کامیاب وکامران ہوئے۔ ان امتحانات میں اپنے لختِ جگر کی قربانی بھی تھی جو سب سے بڑا امتحان تھا۔ اس میں کامیابی اور اس میں ہمارے لیے کیا درس ہے۔ کتاب کے مطالعے سے یقیناً آپ اس قربانی کہ تہ تک پہنچ سکیں گے۔ اللہ کریم مؤلف، ناشر اور معاونین کی محنت قبول فرمائے، آمین

کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ، کارڈ کور اور عمدہ طباعت ہے۔

اَبر

اٹھی پھر آج وہ پورب سے کالی کالی گھٹا
سیاہ پوش ہوا پھر پہاڑ سربن کا
نہاں ہوا جو رخِ مہر زیرِ دامن ابر
ہوائے سرد بھی آئی سوارِ توسن ابر
گرج کا شور نہیں ہے، خموش ہے یہ گھٹا
عجیب مے کدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا
چمن میں حکم نشاطِ مدام لائی ہے
قبائے گل میں گہر ٹانکنے کو آئی ہے
جو پھول مہر کی گرمی سے سو چلے تھے، اٹھے
زمیں کی گود میں جو پڑ کے سو رہے تھے، اٹھے
ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اُڑا بادل
اٹھی وہ اور گھٹا، لو! برس پڑا بادل
عجیب خیمہ ہے کہسار کے نہالوں کا
یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

(علامہ محمد اقبالؔ)